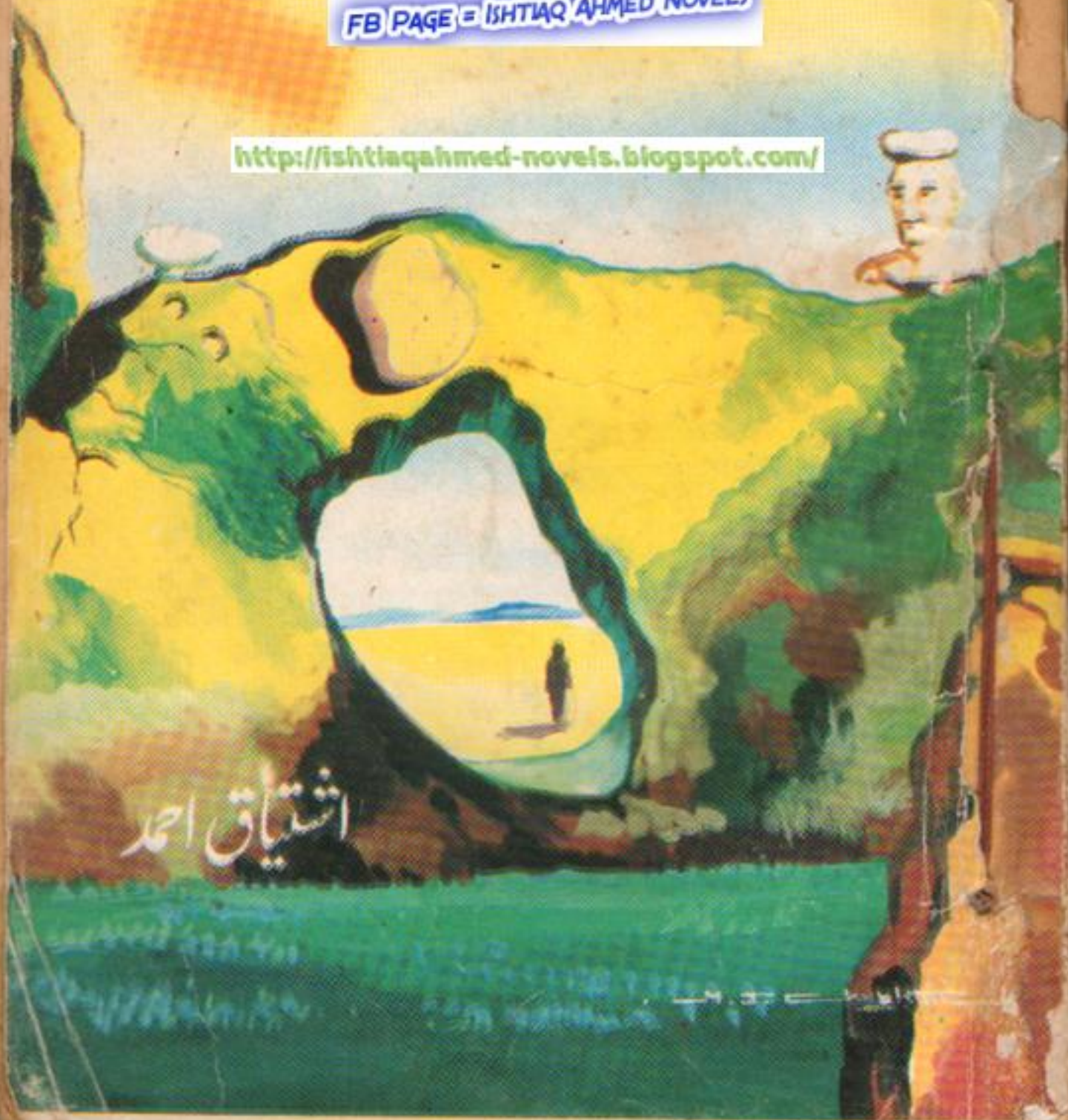


فری نوف

FB PAGE = ISHTIAQ AHMED NOVELS

<http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com/>

اشتیاق احمد



دوباتیں

السلام علیکم !

ناولہ چوری کے لاشہ کے دو باتیں میں نے
لکھا تھا کہ ایک قاری نے ایک اخبار کا تراشہ مجھے
بھیجا، جس میں تیس چار سطر خبر تھی۔ اور فرمائش
تھی کہ اس خبر پر ایک ناول لکھوں۔ چوری
کے لاشہ ناول اس خبر پر لکھا گیا۔ دو باتیں
میں اعلان تھا کہ آئندہ ماہ کے ناول میں تراشے
کے خبر کے الفاظ پڑھ لیجیے گا۔ لیکن میں بھول
گیا۔ لیجیے۔ خبر کے الفاظ اب پڑھ لیجئے اور قاریہ
کا نام بھیجئے۔ تراشہ بھیجنے والی قاریہ ہیں۔ عالیہ ناز
لاہور۔ خبر یہ تھی :

” ۵۰ لاکھ ڈالر کے لاشہ

راوینا (اٹلی، جنگلہ فارض ڈیکہ) اٹلی کے

تیس دولہ مند تریض خاندانوں میں سے ایک
خاندان کے سربراہ کے لاشہ قبر سے چرائے گئے ہیں۔
لاشہ چرانے والے نے ٹیلی فون کے ذریعے فیروز
خاندان سے ۵۰ لاکھ ڈالر کا مطالبہ کیا ہے۔ فیروز
جو اٹلی کے ایگری انڈسٹریل گروپ کے سربراہ
تھے، ۱۹۷۹ء میں فوت ہوئے تھے۔“

بہ خبر اتنی تھی۔ ”چوری کے لاشہ“ اس
خبر کو پڑھ کر لکھا گیا۔ کیسے۔ تجربہ کیا رہا۔

تیس

☆ یاسر لا ئبریری ☆

☆ T-370 کورنگی نمبر 2 (مکتبہ والی پابلیک) ☆

سیاہ آلہ

لڑکو! تم کسی کام کے بھی ہو یا بس بالکل نکمے ہی ہو۔
 اتنی جان کے اس خاص جھلے نے ہمیں بُری طرح چونکا دیا۔
 کیوں کہ بہت عرصے بعد سُننے میں آیا تھا اور ہم اس جھلے کا مطلب بھی
 بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔

”ہم سمجھ گئے اتنی جان“ میں نے فوراً کہا۔

”کیا سمجھ گئے؟ انھوں نے مجھے گھورا۔

”آپ کو ہم سے کوئی بہت اہم کام ہے؟“ آفتاب بولا۔

”تمہارا اندازہ کچھ غلط بھی نہیں، لیکن کام مجھے نہیں۔ میری ایک
 سہیلی کو ہے۔ اس نے درخواست کی ہے کہ میں تم چاروں کو
 ان کے اِن بھیج دوں۔“

”لیکن کیوں؟“ افلاق نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اس کیوں کا جواب وہ خود دیں گی۔ اتنا بتا سکتی ہوں کہ

وہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔“

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
 - آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
 - کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
 - آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
 - آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔
- اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات مجھ پر
 تو ناول لکھ رہے ہیں۔ پہلے نماز اور دوسرے
 کاموں سے فارغ ہو لیے، پھر ناول پڑھیے۔ شکریہ!

اشتیاق احمد

”آپ چاہتی ہیں۔ ہم ان سے معاوضہ نہ لیں اور ان کا معاملہ حل کر دیں۔ فکر نہ کریں۔ ایسا ہی ہوگا۔“
 ”یہی تو الجھن ہے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ انھوں نے منہ بنایا۔“
 ”جی کیا مطلب۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تو پھر کیسا ہوگا؟“
 ”میں وضاحت نہیں کروں گی۔ بس تم روانہ ہو جاؤ۔ اور ہاں۔ انھیں یہ شکایت نہ ہو کہ تم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکے۔“
 ”آپ فکر نہ کریں۔ وہ آپ سے یہ جملہ نہیں کہہ سکیں گی۔ میں نے فوراً کہا۔“

”تو پھر نام اور پتا نوٹ کر لو۔ بیگم خاتاری ۳۰۲ ریس روڈ۔“
 ”بہت خوف ناک نام ہے۔ اور پتا اس سے بھی خوف ناک، خاتاری بولتے ہی تاتاری یاد آ جاتا ہے اور ۳۰۲ سے ۳۰۲ کا یعنی قتل کا کیس ذہن میں آ جاتا ہے۔ ارے باپ رے۔“
 ”ابھی کیا ہے۔ ابھی تو تم وہاں پہنچے ہی نہیں۔ خوف کے مقامات تو آگے آئیں گے۔ وہ مسکرائیں۔“
 ”جی کیا مطلب۔ خوف کے مقامات۔“

”ہاں! اس کیس میں شاید دو چار مقامات بہت زیادہ خوف کے بھی آئیں گے۔ کیا ڈر گئے؟“

”نہیں۔ ڈرنا کیا۔ ہم تو یوں بھی خوف پروں ہیں۔“
 ”شکریہ! میں چاہتی ہوں۔ اب تم ایک لفظ کے بغیر دفتر

”تو ٹھیک ہے۔ ہم اسی وقت ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں“
 ”آپ نام اور پتا بتا دیں۔“
 ”لیکن جانے سے پہلے ایک بات سن لو۔ انھوں نے سرد آواز میں کہا۔“

”بج۔ جی۔ فرمائیے۔ میں گہرا گیا۔“
 ”تم ان سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ قطعاً نہیں لو گے۔“
 ”یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آپ کی سہیلی سے اور ہم معاوضہ لیں۔ لاجول ولا قوت۔“

”میں شیطان نہیں ہوں۔ انھوں نے ہٹا کر کہا۔“
 ”یہ۔ یہ میں نے آپ کے لیے نہیں کہا۔ معاوضہ لینے کے سلسلے میں بولا ہے۔ میں نے کہا۔“
 ”خیر خیر۔ احتیاط کرو۔ یہ جملہ ایک دُعا ہے۔ وظیفہ کے طور پر بھی پڑھا جاتا ہے۔ یعنی لاجول ولا قوت المآباللہ العلی العظیم۔ اور مطلب اس کا یہ ہے۔“

”اوہ۔ آئندہ ہم بغیر وجہ کے اور بغیر موقع کے اس جملے کو ادا نہیں کریں گے۔ معاف کر دیں۔“

”معافی اللہ سے مانگو۔ اور وہ سہیلی کی بات درمیان میں رہ گئی۔“

سے نکل جاؤ اور سیدھے وہاں پہنچ جاؤ۔
 "تت۔ تو۔ کیا اُمی جان۔ آپ کی سہیلی صاحبہ تک بھی ایک
 لفظ بولے بغیر پہنچنا ہے؟ آفتاب گہرا گیا۔
 "نہیں۔ میں یہاں سے نکلنے کی بات کر رہی ہوں۔"
 "یہ لیجیے۔ ہم نکل گئے۔" اشفاق مسکرایا۔
 "لیکن ایک لفظ بولے بغیر نہیں نکلے۔ وہ غرائی۔"
 "اوہ۔ م۔ معاف کیجیے گا۔ اس بات کا تو خیال ہی نہیں۔
 رہا۔ لیکن خیر۔ فکر نہ کریں۔ اب ہم بالکل نہیں بولیں گے۔ ہوا تھا۔

آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔
 "بب۔ بالکل۔ تم نے ٹھیک کہا آفتاب! اخلاق نے فوراً
 کہا۔

"میں بھی تمہاری تائید کرتا ہوں! اشفاق بولا۔
 "اب وہ ہی کیا گیا۔ تصدیق کرنے کے لیے۔ لیکن میں بھی
 کیوں پیچھے رہوں! میں مسکرا دیا۔

"میں سمجھ گئی۔ ایک لفظ بولے بغیر تو دراصل مجھے دفتر سے
 نکلنا چاہیے تھا۔ تم سے تو یہ ہونے سے رہا! یہ کہتے ہوئے
 وہ پیر پختی ہوئی نکل گئیں۔ اور ہم نے شرم سار نظروں سے

ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ہم دفتر سے نکل آئے۔
 ریس روڈ پر صرف بڑے لوگوں کی کوٹھیاں تھیں۔ اور ہمیں
 نے پُر سکون آواز میں کہا اور پھر آگے بڑھا۔

"خبردار۔ پہلے یہ بتاؤ۔ کیوں ادھر آ رہے ہو؟"

"ہمیں بیگم خاتاری نے بلایا ہے۔"

"بالکل غلط۔ انھوں نے ہرگز نہیں بلایا۔ ایک پہرے کڑک کر بولا۔"

"یہ بات آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ میں نے گہرا کر کہا۔"

"جب وہ کسی کو ملاقات کے لیے بلواتی ہیں تو ہمیں فون پر ہدایات دے دیتی ہیں۔ کہ فلاں صاحب یا صاحبہ آنے والے ہیں۔ انھیں عزت اور احترام سے اندر لے آنا۔ لیکن آج انھوں نے ہمیں ایسی کوئی ہدایت نہیں دی۔"

"میں اُسی وقت باجا سا بجا۔ دونوں پہرے دار چونک گئے۔"

"ایک طرف ہٹ جاؤ۔ صاحب آ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ تم لوگوں کو یہاں دیکھ کر وہ ہم پر بگڑیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ہم بھی تم لوگوں کو مزا چکھائے بغیر نہیں رہیں گے۔ ایک نے جلدی جلدی کہا۔"

"آؤ بھئی۔ ایک طرف ہو جائیں۔ شاید ہم غلط جگہ آ گئے۔ آج میں نے بل بھن کر کہا اور ایک طرف کو سرکنے لگے۔ اسی وقت پہرے داروں نے بڑا دروازہ کھول دیا۔ ایک لمبی

"آؤ بھئی۔ ایک طرف ہو جائیں۔ شاید ہم غلط جگہ آ گئے۔ آج میں نے بل بھن کر کہا اور ایک طرف کو سرکنے لگے۔ اسی وقت پہرے داروں نے بڑا دروازہ کھول دیا۔ ایک لمبی

"آؤ بھئی۔ ایک طرف ہو جائیں۔ شاید ہم غلط جگہ آ گئے۔ آج میں نے بل بھن کر کہا اور ایک طرف کو سرکنے لگے۔ اسی وقت پہرے داروں نے بڑا دروازہ کھول دیا۔ ایک لمبی

"آؤ بھئی۔ ایک طرف ہو جائیں۔ شاید ہم غلط جگہ آ گئے۔ آج میں نے بل بھن کر کہا اور ایک طرف کو سرکنے لگے۔ اسی وقت پہرے داروں نے بڑا دروازہ کھول دیا۔ ایک لمبی

حید رنگ کی رولز دائیں کار اندر سے نکلی۔ دونوں پہرے داروں نے سلام کیا اور کار گویا تیرتی ہوئی آگے بڑھی۔ ہم نے

میں سیٹ پر بیٹھے بھاری بھر کم آدمی کو دیکھا۔ اس کے سرے پر بلا کا غرور تھا۔ اس طرح اکڑا کر بیٹھا تھا۔

دیا پوری دنیا کا بادشاہ تو ہی تو ہے۔ اور پھر کار آگے بڑھ گئی۔ ہم پھر دروازے کے نزدیک ہو گئے۔

"تم ابھی گئے نہیں؟" پہرے دار گرج کر بولا۔ آپ نے ایک طرف ہونے کو کہا تھا۔ نہ کہ جانے کے

دیسے کیا یہ مسٹر خاتاری تھے؟ ہاں! اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔ کیا آپ لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں؟

قربان نے منہ بنا کر کہا۔ ہاں! یہی بات ہے۔

"اچھا خیر۔ ہم جا رہے ہیں۔ وہ سامنے پارک میں بیٹھے ہیں۔ اگر بیگم صاحبہ کو یاد آ جائے اور وہ ہمیں بلا بیٹھیں تو

اپ خود ہی تکلیف کر لیجیے گا۔ خود سے تو ہم اب آنے سے رہے۔"

"جاؤ۔ جاؤ۔ بہت دیکھے ہیں تم جیسے۔ بیگم صاحبہ اور تم

بھوکوں ننگوں کو بلائیں گی۔ مزہ دھو رکھو۔"

”منہ تو ہم نے صبح سویرے بھی دھویا تھا۔ اور ہر
سے پہلے دھوتے ہیں۔ باقی رہی بات بھوکے اور ننگے ہو
کی۔ اللہ کا احسان ہے۔ اس وقت ہمیں بالکل بھوک
ہے۔ اور ہمارے جسموں پر پکڑے بھی ہیں۔ سمجھے جناب
بیگم صاحبہ ہمیں نہیں بلاتیں گی تو ہم بھی نہیں آئیں گے
طرف۔ اللہ حافظ۔ آؤ بھی چلیں۔ میں نے جے کٹے انداز میں
سامنے ہی ایک پارک تھا۔ ہم اس میں داخل ہوئے
”تم تینوں یہاں بیٹھو۔ میں ذرا امی جان سے بات کر
آتا ہوں۔ شاید ان سے کوئی بھول ہو گئی ہو۔“
”اچھی بات ہے۔“ اشفاق نے کندھے اچکائے۔
میں نے ایک پبلک فون بوتھ سے امی جان کو فون
فورا ہی ان کی آواز سنائی دی :
”بہت بہت شکریہ امی جان۔ میں بولا۔
”کس بات کا شکریہ۔“ انھوں نے حیران ہو کر کہا۔
”ہمیں خاتاری ہاؤس میں کسی نے گھسنے تک نہیں دیا۔“
”ہائیں۔ وہ کیوں؟“
”یہ تو آپ بتائیں گی۔ کیا بیگم خاتاری نے خود آپ کو
ہمارے بارے میں کہا تھا؟“
”ہاں بالکل!“

”کیا آپ نے انہیں بتایا تھا کہ ہمیں کب صبح رہی ہیں؟“
”ہاں بالکل۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ تم لوگ پانچ بجے
پانچ بج جاؤ گے۔ اس وقت کیا بجا ہے؟“
”پانچ بج کر پندرہ منٹ ہو رہے ہیں۔“ میں نے گھڑی پر
نظر ڈالی۔
”تب تو غالباً تم بالکل ٹھیک وقت پر وہاں پہنچے ہو گے۔“
”آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ لیکن ان کے پہرے داروں نے
میں بالکل گھاس نہیں ڈالی۔“
”ہوں۔ شکریہ۔“ امی جان بولیں۔
”آپ کس بات کا شکریہ ادا کر رہی ہیں؟ میں بوکھلا گیا۔
”یہ اطلاع دینے کا۔ ورنہ تم بھٹا کر واپس بھی آ سکتے
تھے۔ خیر۔ میں ابھی انہیں فون کرتی ہوں۔“
”کیا یہ بہت ضروری ہے امی جان؟ میں نے پوچھا۔
”کیا چیز؟“
”ان کو اطلاع دینا۔ اگر انہیں ہماری ضرورت ہوتی تو ہمارے
آنے کا بتا دیتیں پہرے داروں کو۔“
”ہو سکتا ہے۔ وہ بھول گئی ہوں۔ میں ابھی انہیں فون
کرتی ہوں۔ فون کرنے کے بعد میں تمہیں بتاؤں گی۔ تم کس
نمبر سے بات کر رہے ہو؟“

میں نے اس فون کا نمبر انہیں لکھوا دیا۔ تین منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا :
 ”جی امی جان۔ فرمائیے کیا رہا؟“
 ”حیرت انگیز۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ وہ فون نہیں اٹھا رہیں۔ فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ لیکن ریسیور کوئی نہیں اٹھا رہا۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اندر کوئی بھی نہ ہو۔ کم از کم اندر ملازمین کی ایک فوج تو موجود ہے ہی۔“

”اوہ۔ یہ۔ یہ تو بہت عجیب بات ہے۔“
 ”ہاں! میں بھی بہت پریشان ہو گئی ہوں۔“
 ”خیر۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کیا جا سکتا ہے میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔“

پارک میں وہ تینوں سر جھکائے بیٹھے تھے۔
 ”اندر کچھ گڑ بڑ ہے۔ امی جان نے بیگم خاتاری کو فون کیا تھا۔ لیکن انہوں نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ کسی ملازم نے بھی ریسیور نہیں اٹھایا۔ آخر کیوں؟“
 ”ہو سکتا ہے۔ فون خراب ہو۔“

”پہرے داروں سے بات کر لیتے ہیں۔“ اشفاق نے کہا۔
 ”وہ پہلے ہی ہم سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہے۔“

”پھر۔ اب کیا کیا جائے؟“
 ”کیوں نہ انگل کاشان کو بلا لیں۔ وہ ان پہرے داروں سے بات کریں گے۔“
 ”لیکن! یہ ضروری نہیں کہ پہرے دار ان کی بات سن لیں۔“
 ”پھر ہم کیا کریں؟ اشفاق بڑبڑایا۔
 ”گھر چل کر آرام کرتے ہیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟“
 ”لیکن امی جان کو کیا جواب دیں گے؟“
 ”یہ کہ ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ اصل کام تو بیگم خاتاری کا تھا کہ وہ ہمیں اندر بلا لیتیں۔ لیکن انہوں نے نہیں بلا یا۔“
 ”فون کا ریسیور اٹھایا۔ ہم کریں بھی تو کیا؟“
 ”تو پھر چلو۔ گھر ہی چلیں۔“ آخر میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

چاروں اٹھ کر پارک سے باہر جانے کے لیے مڑے۔ ابھی ہم دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک آدمی بدحواسی کے عالم میں اندر داخل ہوا۔ اسی وقت ہم نے اسے دیکھا۔ وہ ان دونوں پہرے داروں میں سے ایک تھا۔ اس کے چہرے پر بدحواسی کا عالم طاری تھا اور ہاتھ اور پیر بے قابو سے تھے۔ جوں ہی اس کی نظریں ہم پر پڑیں۔ وہ ہماری طرف پیکا۔
 ”وہ۔ وہ۔ معاف کیجیے گا جناب۔“

"معاف کیا۔ شکریہ۔ آفتاب نے منہ بنایا۔"

"معاف کیا۔ شکریہ۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"بھئی تم نے معافی مانگی۔ ہم نے معاف کر دیا۔ اور شکریہ اگر بات کا کہ آپ نے معافی مانگی۔"

"نہن۔ نہیں جناب۔ یوں کام نہیں چلے گا۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ اس نے کہا۔"

"لیکن کہاں۔ اور کیوں؟"

"محل کے اندر۔ بیگم صاحبہ کے پاس۔"

"اب کیا ہوا۔ آپ تو ہمیں اندر جانے ہی نہیں دے رہے تھے۔ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ ابھی ابھی بیگم صاحبہ نے فون پر ہدایات دی ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے بتایا کہ وہ بھول گئی تھیں۔"

"کیا بھول گئی تھیں؟ آفتاب نے اسے گھورا۔"

"ہمیں آپ لوگوں کے بارے میں بتانا۔"

"اوہ۔ لیکن۔ میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔"

"لیکن دیکھ نہیں جناب۔ آپ فوراً ہمارے ساتھ چلیے۔"

"ویسے آپ ہیں تو شوکی برادرز ہی نا۔ اس نے کہا۔"

"ہاں! امید تو ہے۔ آفتاب نے منہ بنایا۔"

"امید تو ہے۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ امید ہے کہ ہم شوکی برادرز ہی ہیں۔"

"اوہ۔ آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔ چلیے چلیے۔ ورنہ ہماری شامت آجائے گی۔"

"ہم سے بھی ملائیے گا۔ آفتاب بولا۔"

"کس سے۔ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"آپ کی شامت سے مل کر ہم بھی یقیناً خوش ہوں گے۔"

"اوہ میں سمجھ گیا۔ آپ ضرور مذاق کے موڈ میں ہیں۔"

"بس چلے چلیے۔"

"ہم حیرت زدہ انداز میں اس کے ساتھ بڑے دروازے پر پہنچے۔"

"م۔ معاف کیجیے گا جناب۔ ہم نے آپ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم تو ایسے سلوک کے عادی ہیں۔ کوئی سختی بات نہیں۔"

"جاؤ ریاض۔ انہیں بیگم صاحبہ کے پاس پہنچا دو۔ پہلے نے کہا۔"

"ہم اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ اندر کے رنگ ڈھنگ

نزلے تھے۔ ہر چیز سے فضول خرچی ٹپک رہی تھی۔ شاید

میرے پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ ایک راہداری طے کر کے ہم آہنوس

کے بنے ایک دروازے کے سامنے رکے ریاض نے انگلی سے دروازے پر دستک دی۔

”کیا باہر شوکی برادرز ہیں؟“

”جی ہاں۔ بیگم صاحبہ۔“

”انہیں اندر آنے دو۔ تم باہر جاؤ۔“

”بہت بہتر۔ ریاض بولا اور ہمیں اشارہ کرتے ہوئے جانے کے لیے مڑ گیا۔“

ہم نے ایک نظر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ اندر ایک مسہری پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ایک خوب صورت عورت بیٹھی تھی۔ اس کا لباس شاندار تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ بالکل ملکہ لگ رہی تھی۔ شوکی برادرز اس کے مزے سے نکلا۔

”جی ہاں! میں نے کہا۔“

”تشریف رکھیے۔ اس نے کمرے میں ایک طرف رکھے موڈ سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔“

ہم جوں ہی صوفے پر بیٹھے۔ نیچے کی طرف دھنستے چلے گئے۔

”میں پہرے داروں کو ہدایات دینا بھول گئی تھی۔ آپ کو ضرور زحمت ہوئی ہو گی۔“

”کوئی خاص بات نہیں۔ ہم ایسی زحمتوں کے عادی ہیں۔“ آفتاب نے کہا۔

”اور۔ اس کا مطلب ہے۔ آپ کو بہت زیادہ تکلیف اٹھانا پڑی۔ انہوں نے چونک کر کہا۔“

”ہم نے کہا نا۔ کوئی خاص بات نہیں۔“ میں جلدی سے بولا۔

”ہوں خیر۔ اب بات ہو جائے معاملہ کی۔“ وہ بولیں۔ معاملے کی بات سے پہلے، ہم ایک اور بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”ہوں۔ کیسے۔ کیا بات ہے؟“

”جب پہرے داروں نے ہمیں آپ تک پہنچانے سے انکار کر دیا تو ہم نے ایک پبلک فون بوتھ سے اپنی والدہ کو فون کیا اور انہیں صورت حال کو سنائی۔ انہوں نے آپ کو فون کیا، لیکن آپ نے فون کا ریسپور نہیں اٹھایا۔“ میں نے اٹھایا، یہاں کے کسی ملازم نے۔ فون خراب بھی نہیں تھا۔ انہوں نے گھنٹی بجنے کی آواز سنی تھی۔ آخر یہ کیسے ہوا۔ پہلے تو اس کی وضاحت کر دیں۔ معاملے کی بات ہم بعد میں کریں گے۔“

”یہ جان کر حیرت ہوئی۔ میرا ذہن بھی الجھ گیا ہے۔“

لیکن۔ تم لوگ سراخ رساں ہو۔ کچھ تم اندازہ لگاؤ کہ ایسا کیوں ہوا۔ انھوں نے مسکرا کر کہا۔

میں نے چند سیکنڈ کے لیے ذہن پر زور دیا اور پھر مسکرا دیا:

”میں سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے؟“

”آپ نے جان بوجھ کر ریسپور نہیں اٹھایا۔ ملازمین کو بھی یہی ہدایات تھیں کہ ریسپور نہ اٹھائیں۔ آپ ہماری آمد کے بارے میں بھولی بھی نہیں تھیں۔ بلکہ جان بوجھ کر پہرے داروں کو نہیں بتایا تھا۔ آپ تو دراصل ہمارا اطمینان لینا چاہتی تھیں۔ سو آپ نے لے لیا۔ میں یہاں تک کہ کر خاموش ہو گیا۔“

”اور آپ لوگ امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ آپ میرا کیس حل کر سکیں گے۔ کیوں نہ پہلے ہم معاوضہ ملے کر لیں۔“ انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

”مم۔ معاوضہ۔ کیا مطلب؟ میں نے گھبرا کر کہا۔ کیوں کہ امی جان کی ہدایت یاد آ گئی تھی۔“

”جی۔ معاوضے کا مطلب ہے معاوضہ۔ اور کیا۔“ انھوں نے کہا۔

”پہلے آپ یہ بتائیں۔ مسئلہ کیا درپیش ہے۔“

”نہیں۔ پہلے معاوضے پر بات ہو گی۔“

سوچی: ہماری امی جان کی ہدایات یہ ہیں کہ ہم آپ سے معاوضہ ہرگز نہیں لیں گے۔“

”کیسے ہو سکتا ہے؟“

”اس طرح کہ وہ آپ کی سہیلی ہیں۔“

”ہاں! یہ تو خیر ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ معاوضہ نہیں لیں گے تو میں بھی کیس حل نہیں کر اؤں گی۔“

”اوہ۔ ارے۔ ہمارے منہ سے نکلا۔“

”دیے تو ہمیں اس بات پر بھی حیرت ہے کہ ہماری امی جان آپ کی سہیلی کس طرح ہیں؟“

”میں ایک غریب گھرانے کی ہوں۔ آپ کی والدہ میری کلاس فیلو رہی ہیں۔“

”چلیے خیر۔ یہ بات تو ہو گئی صاف۔ اب معاوضے کی بات پر ڈالیں مٹی۔ اور یہ بتائیں۔ پریشانی کیا ہے؟“

”ناممکن۔ پہلے معاوضہ۔“

”تب پھر آپ امی جان سے فیصلہ کر لیں۔ میں نے تنگ آ کر کہا۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“ انھوں نے کہا اور امی جان کو فون کرنے لگیں۔“

پانچ منٹ تک دونوں خوب زور شور سے فون پر لڑتی

رہیں۔ آخر بیگم خاتاری نے جھٹاکر ریسور رکھ دیا اور ہم سے بولیں
 "آپ کی والدہ اور میری سہیلی بہت خدی واقع ہوئی ہیں۔
 انہوں نے یہاں تک کہ دیا ہے کہ اگر معاوضہ ہی دینا ہے تو
 کسی اور پرائیویٹ سٹراخ رساں کو بلا لیں۔ میرے بیٹے کام
 نہیں کریں گے۔ لہذا میں اب معاوضے والے معاملے
 پر بات نہیں کروں گی۔"

"ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔" میں مسکرایا۔
 "لیکن یہ تو اچھی بات نہیں۔ آخر آپ کیس پر کام کریں
 گے۔ آپ کو محنت کرنا ہوگی۔ اور پھر اس قسم کے معاملات
 میں جان کو بھی خطرہ ہوتا ہے۔"
 "ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ معاوضے والے کیس بھی تو ہمید
 ملتے ہی رہتے ہیں۔ میں نے کہا اور ان کا سر جھک گیا :
 "ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

"پہلے میں دروازے کی چٹخنی لگا دوں۔" انہوں نے اٹھنے کی
 کوشش کی۔

"آپ تکلیف نہ کریں۔" میں نے جلدی سے کہا اور اٹھ کر

دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"اب کوئی ہماری بات چیت نہیں سن سکتا۔"
 "یہ بات بھی آپ دعوے سے نہیں کر سکتیں۔"

"کیوں نہیں کر سکتی۔ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔"
 "لیکن جدید آلات کی مدد سے اندر ہونے والی گفت گو کو سنا
 جاسکتا ہے۔"

"اوہ۔ کیا واقعی؟" انہوں نے گہرا کر کہا۔

"ہاں! کیوں نہ پہلے ہم اطمینان کر لیں۔"

"ضرور ضرور۔ کیوں کہ بات بہت ہی خفیہ ہے۔"

"ہم نے اٹھ کر ان کے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اور
 پھر صوفے پر آ کر بیٹھ گئے :"

"ہو گیا اطمینان آپ لوگوں کا۔ اب میں بات شروع کروں۔"
 "نہیں۔ آپ بات شروع نہیں کر سکتیں۔ ہماری بات چیت
 باہر کیس سنی جا رہی ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ وہ کیسے؟"

"میں اٹھ کر ان کی مسہری کی طرف گیا اور مسہری کے نیچے سے
 ایک سیاہ رنگ کا بٹن نما آلہ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا :
 "اس کے ذریعے باہر کیس بات چیت سنی جا رہی ہے۔"

"اوہ! ان کا رنگ اڑ گیا۔"

"ہوں! میرا خیال ہے۔ آپ ٹھیک کر رہے ہیں۔ کیا آپ
مجھے چند منٹ دیں گے۔ تیار ہونے کے لیے۔ انہوں نے کہا۔
"ضرور کیوں نہیں؟ میں نے فوراً کہا۔

چند منٹ بعد ہم ایک کار میں ان کے ساتھ باہر نکلے۔
کار وہ خود چلا رہی تھیں۔ ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیا تھا۔
"اب بتائیں۔ کہاں چلنا ہے؟

"ہم کار میں بھی بات چیت نہیں کر سکتے؟
"کیوں۔ کیا کار میں کی جانے والی گفت گو بھی سنی جا سکتی
ہے؟

"جی ہاں! بالکل۔ کچھ فاصلے پر تعاقب میں آنے والی کار
میں اسی قسم کے آلے کے ذریعے گفت گو آسانی سے سنی جا سکتی ہے۔
"اوہ۔ اوہ۔ آپ لوگ تو بہت کام کے آدمی ہیں۔

"جی ہاں۔ ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔ ابھی تو ہم آپ کے
کچھ بھی کام نہیں آئے۔

"لیکن امید ہو چلی ہے۔ کہ خوب کام آئیں گے۔ انہوں نے
جس کر کہا۔

"بہتر ہو گا کہ آپ کار کو ساحل کی طرف لے چلیے۔ ہم وہاں
کار سے اتر کر ساحل سمندر پر بات کریں گے۔ وہاں کوئی
تذدیک نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ بہت فاصلے سے ہم آنے

خوف ناک پروگرام

کمرے میں چند سیکنڈ کے لیے موت کا سناٹا طاری ہو گیا،
پھر انہوں نے کہا:

"کیا واقعی۔ یہ اسی قسم کا آرہے ہیں۔
"ہاں! یہ ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں؟ میں نے کہا۔
"حیرت ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ خیر۔
اب کیا کیا جائے؟

"ہو سکتا ہے۔ اس کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی
چیز موجود ہو۔ جس پر ہماری نظر نہ پڑی ہو۔ اس لیے ہم
اس کمرے میں بات چیت نہیں کریں گے۔
"گویا آپ چاہتے ہیں۔ ہم کسی دوسرے کمرے میں چلیں؟
انہوں نے کہا۔

"جی۔ ہم تو چاہتے ہیں۔ بات چیت اس محل میں ہو ہی
نہ۔ باہر چل کر کی جائے۔"

والے کو دیکھ سکتے ہیں۔

”بہت خوب۔ یہ بات پسند آئی۔“ وہ بولیں۔

آدھ گھنٹے بعد ہم ساحل پر موجود تھے۔ کار ہم نے بہت دور چھوڑ دی تھی:

”کیا اب میں بلا کھٹکے بات کر سکتی ہوں؟“

”جی ہاں! اب کوئی خطرہ نہیں۔“

”شکریہ۔ بات بہت خوف ناک ہے۔ اور اس قدر راز میں

رکھنے والی ہے کہ میں کیا بتاؤں۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ ہم جان کی بازی لگا کر بھی آپ کا راز راز رکھیں گے۔ راز ہم سے اگلوایا نہیں جا سکتا۔ ہم کام ہی اس قسم کے کرتے ہیں۔“

”ہاں! میں آپ لوگوں کے متعلق پڑھتی رہتی ہوں۔ اور

بہت کچھ جانتی ہوں۔ اب پہلے میں اپنے بارے میں بتاؤں

گی۔ میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئی تھی، لیکن میرے

غریب ماں باپ نے مجھے کالج تک تعلیم دلوائی۔ اور ایسا کرنے

کے لیے انھوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ کالج کی ایک تقریب

میں ایک روز مسٹر خاتاری آئے۔ انھوں نے مجھے دیا

دیکھا، پھر ہمارے گھر شادی کا پیغام بھیج دیا۔ میرے

ماں باپ حیران رہ گئے۔ خود میں بھی بہت حیران ہوئی۔

میرے ماں باپ اس قدر دولت مند اور بڑی حیثیت کے آدمی

سے شادی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

اس میں ان گنت خطرات بھی تھے۔ خود میں نے بھی پسند

نہیں کیا اور ہم نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد ہماری

تعلیمی مذاہن بن گئی۔ ہمیں طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں،

یہ کہ تمہارا گھر جلا دیا جائے گا۔ تم لوگوں کو قتل کر دیا

جائے گا۔ تم لوگ کہیں کے زہرہو گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کچھ

لوگوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ مسٹر خاتاری شادی کے لیے ہی

تو کر رہے ہیں۔ آخر اس میں حرج کیا ہے۔ اور آخر میں

میں نے اپنے ماں باپ کی خاطر۔ کہ کہیں میری وجہ سے ان پر مصیبت

نہ ٹوٹے۔ اس شادی پر رضامندی ظاہر کر دی۔ میرے ماں

باپ بھی ہار مان گئے۔ ان حالات میں یہ شادی ہوئی۔ میں

اس عمل میں آگئی۔ بظاہر یہاں مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ مسٹر

خاتاری بہت اچھے آدمی ہیں۔ شادی کے بعد انھوں نے ان

دھمکیوں کے سلسلے میں بھی معافی مانگ لی تھی۔ اور کہا تھا کہ

میں بس خالی پیلی دھمکیاں ہی تھیں۔ مطلب یہ کہ ان کی طرف

سے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ گھر کے ملازم میرے

مشاوروں پر ناپتے ہیں۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ مسٹر

خاتاری سے بہت بڑے بڑے لوگوں کے تعلقات ہیں۔

وزیر، گورنر اور صدر تک ان سے ملاقات کے لیے آتے ہیں، لیکن
میں یہاں اطمینان کی زندگی نہیں گزار رہی۔ نہ جانے کیوں؟
یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئیں۔

”جی کیا مطلب؟“

”پتا نہیں۔ میں اپنی بات کی وضاحت کر سکوں یا نہ کر
سکوں۔ بس میں بہت پریشان رہتی ہوں۔ مسٹر غامدی —
دراصل مجھے بہت پراسرار آدمی جان پڑتے ہیں۔ اور یہ بات
میں نے ابھی کوئی دو سال پہلے سے محسوس کرنا شروع کی
ہے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا خیال تک نہیں آیا تھا۔“

”اس خیال کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔“ میں نے حیران ہو
کر کہا۔

”وجہ۔ ہاں۔ وجہ تو ہے۔“ وہ بولیں۔

”بس۔ وہ وجہ بتا دیں۔ اس کے بعد ہم دیکھ لیں گے۔“

”اچھا۔ میں بتاتی ہوں۔ ایک رات کو اچانک میری آنکھ
کھل گئی۔ میں نے دیکھا۔ دوسرے بستر پر غامدی صاحب
نہیں تھے۔ میں نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا۔ آپ کو
یہ سن کر سخت حیرت ہوگی کر۔“

”اُن کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اُسی وقت چھ سات
آدمی دوڑ کر اس طرف آتے نظر آئے۔“

”یہ۔۔۔ یہ کون ہیں؟ انہوں نے گہرا کر کہا۔“

”میرے لیے ساحل پر آتے ہوں گے۔“

”نہیں۔ نہیں۔ میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ انہوں نے
کاتب کر کہا۔“

”تب پھر ہمیں اپنی کار کی طرف بڑھنا چاہیے۔ اگر یہ
لوگ ہمارے دشمن ہیں تو ہم صرف کار کے ذریعے ان سے
بچ سکتے ہیں۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ان لوگوں کے پاس
کوئی کار وغیرہ نہ ہو۔ اور اگر ان کے پاس کار ہے۔
تب پھر آپ کا ڈرائیونگ میں ماہر ہونا بہت ضروری ہے۔“

”مم۔ میں۔ ماہر ضرور ہوں، لیکن اس قدر ماہر نہیں کہ
حیرات کے عالم میں بھی بہترین ڈرائیونگ کر سکوں۔“

”اللہ مالک ہے۔ آئیے۔ ہم کار کی طرف چلیں۔ لیکن ہم
بہت کم انداز میں چلیں گے۔ یہ لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ
ہم ان سے ڈر کر ادھر جا رہے ہیں۔ بس ٹھہرنے کے انداز
میں چلیں۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔“

”ہم کار کی طرف چل پڑے، لیکن فوراً ہی ہم نے
محسوس کیا کہ انہوں نے بھی اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا۔
جیسے اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ ساحل کی طرف
سے۔ بلکہ جمادی طرف آ رہے ہیں۔“

"دوڑو" میں چلایا۔

ہم کار کی طرف دوڑنے لگے۔ بیگم خاتاری بھی دوڑنے لگیں، لیکن جلد ہی وہ ہم سے پیچھے رہ گئیں اور ہمیں رکتا پڑا یہاں تک کہ وہ ہم سے آ ملیں۔

"میری وجہ سے آپ بھی پکڑے جائیں گے۔" انھوں نے فکر لہجے میں کہا۔

"دراصل ہم سے ایک بنیادی غلطی ہو چکی ہے۔"

"بنیادی غلطی؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"بنیادی غلطی کی بات پھر کریں گے۔ پہلے ان سے بچنے

کا کوئی انتظام ہو جائے۔ ارے ہاں۔ ہم ان چٹانوں میں پناہ لے سکتے ہیں۔ یہ فوراً ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے۔ میں نے چلا کر کہا۔

اب ہم چٹانوں کی طرف دوڑنے لگے۔ دشمن لمحہ بہ لمحہ نزدیک

آتے جا رہے تھے۔ اور ہماری پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا

تھا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ میں نے انھیں ادھر لاکر

غلطی کی تھی، لیکن یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ حالات یہ

بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

چٹانیں ہماری دیکھی بھالی تھیں۔ لہذا ہم ان پر چڑھ گئے

اور ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے۔ بیگم خاتاری بھی کسی نہ کسی طرح

ہم تک پہنچ گئیں۔

اب ہم ان کی نسبت اونچائی پر ہیں۔ اور آسانی سے مار نہیں

سکتے تھے۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن وہ سات ہیں۔ اور لمبے ترنگے ہیں۔" بیگم خاتاری بولیں۔

"نہ مالک ہے۔" میں بولا۔

اتنے میں دشمن نزدیک آ گئے۔ اور ہمارے ہاتھوں میں

پتھر دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

اور آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتا دیں کہ آپ لوگ چاہتے

ہیں؟ میں نے بلند آواز میں کہا۔

بیگم صاحبہ کو اٹھا کر سمندر میں پھینکنا چاہتے ہیں۔ اور

ساتھ میں تم لوگوں کو بھی۔

"لیکن یہ تو بہت خوف ناک پروگرام ہے۔"

ہم اس پروگرام کی خوف ناک کسی طرح بھی کم نہیں کر سکتے۔

میں نے ایک نے ہنس کر کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ پانچ لاکھ روپے ہمیں مل چکے ہیں۔"

"کس چیز کے؟"

"تم لوگوں کی زندگیوں کے۔"

"کیوں؟"

"پانچ لاکھ میں پانچ آدمی۔ گویا ایک لاکھ میں ایک

آدمی۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ اتنے سے انسان کہاں ملتے ہیں
جاؤ۔ جا کر اس سے پچاس لاکھ تو مانگو۔ آفتاب نے مذاق
اڑانے کے انداز میں کہا۔

”کس سے؟ بیگم خاتاری نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
”جس سے انھوں نے سودا کیا ہے۔“

”گویا جس نے انھیں پانچ لاکھ دیے ہیں۔“ وہ بولیں۔
”ہاں! کوئی نہ کوئی تو ہے۔ جو ہماری زندگیوں کی قیمت
چکا چکا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو دوست۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے
ہنس کر کہا۔

”تب پھر۔ مہربانی فرما کر اس کا نام بھی بتا دو۔“

”افسوس! ہم نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔“ وہ بولا۔

”کیوں۔ مار تو تم ہمیں ڈالو گے ہی۔ پھر کیا خوف؟“

”اصول اصول ہے۔ ہم نہیں بتا سکتے۔“

”اچھا خیر۔ آپ لوگوں کی مرضی۔ اب میرا مشورہ مان لو۔“

نے پُرسکون آواز میں کہا۔ حالانکہ اندر سے بُری طرح

لرز رہا تھا۔

”کیسا مشورہ؟“ وہ تینوں بول اُٹھے۔

”پانچ لاکھ بہت کم ہیں۔ ہم تمہیں دس لاکھ دیتے ہیں۔“

”یہ لادے سے باز آ جاؤ۔“

”دس لاکھ۔ کہاں ہیں دس لاکھ؟“

”ساتھ تھوڑا ہی لیے پھر رہے ہیں۔ کیوں بیگم صاحبہ؟“

”ہاں بالکل۔ دس کیا۔ میں انھیں پندرہ دے دوں گی۔“

”آپ نہیں دیں گی۔ ہم جانتے ہیں۔“

”یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”ہمارے یہاں سے ہٹنے کی دیر ہے۔ آپ لوگ سیدھے پولیس

پیش جائیں گے۔“

”ہے تو بہ کرو۔ پولیس والے ہمارے رشتے دار تو ہیں

نہیں۔ کہ ان کے پاس جائیں گے۔ ہم تو سیدھے بیگم صاحبہ

کے محل جائیں گے۔ یہ وہاں سے اپنی چٹیک بک نکالیں گی،

ایک عدد چٹیک لکھیں گی۔ اور پھر۔ میں کہتے کہتے رک گیا۔

”اور پھر کیا؟ ان میں سے ایک نے کہا۔

”اور پھر یہ۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا

پتھر اس پر دے مارا۔

اللہ کی مہربانی سے پتھر اس کے سر پر لگا۔ ورنہ میرا نشانہ

تو حصولِ مابہ ہے۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ وہ گرنا

چلا گیا۔ پھر لڑھکنے لگا۔

اس کے ساتھی گھبرا گئے، پھر طیش میں آ کر اوپر کی طرف

بڑے۔ اسی وقت آفتاب نے پتھر کھینچ مارا۔ ایک چیخ اور بلند ہوئی اور پھر تو ہم نے ایک ساتھ پتھر پھینک دیے۔ نیچے سے بھی پتھر باری ہونے لگی، لیکن اوپر سے نیچے کی طرف پتھر مارنا آسان ہوتا۔ نیچے سے اوپر کی طرف مشکل۔ یہ آسانی ہمارے کام آگئی ہم پتھر پر پتھر مارنے لگے۔ پتھر وہاں بے تحاشہ تھے۔ اور شاید قدرت نے ہمارے لیے ہی جمع کر رکھے تھے۔ ہماری دیکھا دیکھی بیگم خاتاری نے بھی پتھر برسانے شروع کر دیے: "آپ مہربانی فرما کر اوٹ میں رہیں۔"

"نہیں! میں آپ لوگوں کے شانہ بشانہ لڑوں گی۔" وہ پُر جوش انداز میں بولیں۔

دشمن برابر اوپر آنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ساتھ میں پتھر بھی برسا رہا تھا۔ ہم بھی رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے، لہذا اچھی بھلی جنگ چھڑ گئی تھی۔ دشمنوں کے پاس شاید پستول نہیں تھے۔ ورنہ اس وقت تک ہماری لاشیں تڑپ رہی ہوتیں۔ اس وقت تک دو دشمن زخمی ہو چکے تھے اور وہ پتھر برسانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اوٹ میں پناہ لے چکے تھے۔ ہماری کوشش تھی کہ جلد از جلد باقی پانچ بھی تھوڑے بہت زخمی ہو جائیں اور ہم اپنی کار میں بیٹھ کر نکل چلیں۔ ادھر ان کی کوشش تھی کہ ہم نکل نہ پائیں۔

بھی ذرا دیکھ بھال کر نشانے لگاؤ۔ دیر ہمارے لیے خطرناک ہوگی۔ میں نے دہی آواز میں کہا۔
ہم نے تاک تاک کر پتھر بازی شروع کر دی۔ تین منٹ بعد ایک چیخ اور ابھری:

"واہ۔ تیسرا گیا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

اسی وقت آفتاب نے ایک پتھر اچھالا۔ جواب میں بھیاٹک چیخ گونجی۔ شاید پتھر بڑا تھا۔ اور لگا بھی عین نشانے پر تھا:
"لگ۔ کہیں۔ تم نے اسے جان سے تو نہیں مار دیا۔" میں نے گہرا کر کہا۔

"اگر مر گیا ہے تو بھی میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا۔ اس وقت مسئلہ اپنی جانیں بچانے کا ہے۔ آفتاب بولا۔

"بالکل ٹھیک۔" بیگم خاتاری بولیں۔

ایسے میں ایک فائر کی آواز نے ہمیں لرزا دیا۔

میں نہیں جھک سکے اور ان بے کار لڑکوں کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ پاس کی عزائی ہوئی آواز کانوں میں آئی۔

”گم۔ کیا کریں باس۔ یہ لوگ ان پہاڑیوں میں دبک گئے۔“

اب دیکھنا۔ یہ ان پہاڑیوں میں سے کیسے نکلتے ہیں۔ باس نے کہا اور پھر دو تین فائر اور ہوتے۔ گولیاں چٹانوں سے آکر

جلدے دل دہل گئے۔ بیگم خاتاری کا رنگ اڑ گیا۔

”یہ۔ یہ آپ ہمیں کہاں لے آئی ہیں محترمہ؟ اخلاق نے

میں لے آئی ہوں۔ یا آپ لوگ مجھے لائے ہیں یہاں۔ میں نے تو گھر بلایا تھا اور وہیں بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں ہم دم یہ حالات تو پیش نہ آتے۔ بیگم خاتاری نے جلدی جلدی

میرا خیال ہے۔ وہاں بھی اسی قسم کے حالات پیش آنے لگے تھے، کیوں کہ آپ کے نامعلوم دشمن کی خواہش ہے کہ آپ ہمیں کچھ بھی بتانے نہ پائیں۔“

تب تو۔ مجھے فوراً وہ بات آپ کو بتا دینی چاہیے۔ اس سے پہلے کہ یہ ہم تک پہنچیں۔ وہ گھبرا گئیں۔

فائر کے بعد

”ہائیں۔ فٹ۔ فائر۔ یہ۔ یہ کیا۔ ان کے پاس اگر کوئی پستول تھا تو اب تک انہوں نے فائر کیوں نہ کیا۔ آفتاب نے کانپتے ہوئے کہا۔“

”بھبھ۔ بھول گئے ہوں گے۔ جوں ہی یہ بات یاد آئی کہ ہمارے پاس تو ایک عدد پستول بھی ہے۔ انہوں نے فائر کر دیا۔ اخلاق بولا۔“

”نن۔ نہیں۔ یہ بات بھولنے کی نہیں۔ یہ بات تو سب سے پہلے یاد آنے والی ہے۔“

”تب پھر۔ فائر کی آواز ہم نے کیسے سن لی۔ آفتاب گھبرا گیا۔ اُسی وقت دوسرا فائر ہوا اور ایک بھاری بھر کم آواز گونجی۔ یہ کیا کر رہے ہو نالائقو۔“

”اوہ۔ باس آگئے۔ چلو اچھا ہے۔“ کسی نے چمک کر کہا۔ کیا خاک اچھا ہے۔ تم اب تک اس عورت کو سمندر

"لیکن اب کیا فائدہ ہوگا۔" اخلاق بولا۔

"مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔ محترمہ۔ آپ فوراً بتا دیں میں بولا۔

"اوہ ہاں! واقعی۔" سنیے۔ میں نے آپ کو اس لیے بلا تھا کہ۔

"ٹھائیں۔" گولی کی آواز گونجی۔ ساتھ ہی بیگم خاتاری کی چیخ بلند ہوئی۔

گولی سامنے کی بجائے اس بار پچھلی طرف سے ماری گئی تھی۔ ہم فوراً نیچے لیٹ گئے۔ ہم نے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک لمبے قد کا سیاہ لباس والا آدمی کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا۔

"جو ہو۔ اب تم کیا کہتے ہو۔ یہ تو گئی۔"

"ہم۔ ہم۔ کیا کہیں۔" آفتاب نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو اور سمندر کی طرف بڑھنا شروع کر دو۔"

"وہ۔ وہ۔ آپ ایسا نہ کریں۔" اخلاق لرزا۔

"کیوں نہ کروں۔" لباس نے ہنس کر کہا۔

"دراصل ہمیں سمندر سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ آج آخری بار ڈر لو۔ پھر کیسے ڈر سکو گے۔ وہ ہنسا۔

"اتھ۔ یہ پھر کیا ہے؟"

"اتھ۔ اگر پھر ہی تم لوگوں کو بتانا ہوتا تو ہمیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اچھا۔ اب تم اٹھتے ہو یا پھر گولیاں ہی

آگے دوں تمہارے جسموں میں۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"اوہ ہم لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے۔ پھر اس کے آگے آگے چلنے

لگے۔ ہمارے قدم لمبے بہ لمحہ سمندر کی طرف اٹھ رہے تھے۔

سمندر کی لہروں کا شور ہمارے کانوں کے پردے تو ہلا ہی رہا

تھا۔ دونوں کو بھی لرزا رہا تھا۔ لیکن اگر ہم آگے نہ بڑھتے تو

گولی چلا دیتا۔ ایک قتل وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ ہم پر

گولی چلانے میں بھلا اسے کیا جھجک ہو سکتی تھی۔

ایک۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایسے میں میرے منہ

سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"کیا۔" لباس بولا۔ اس کے باقی ساتھی اس کے پیچھے چلے

آئے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں پتھر تھے۔

"آخر آپ ہمیں سمندر تک لے جانے کا تکلف کیوں کر

رہے ہیں۔ وہیں۔ بیگم صاحبہ کے پاس کیوں نہ ڈھیر کر دیا

گولیاں مار کر۔"

لباس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، پھر غرا کر بولا:

"میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔"

اُس نے بھٹا کر کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔"

"جب تم سمندر میں غوطے کھانے لگو گے تو معلوم ہو جائے گا۔ کر کیا ہونے والا ہے۔" باس نے ہنس کر کہا۔

"اچھا بھائی۔ اگر یہی لکھا ہے۔ تو ہو جائے گا۔" میں نے منہ بنایا۔

اب ہم لہروں تک پہنچ چکے تھے۔ پانی ہمارے پیروں کو

چھونے لگا۔

"شاباش۔ آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ ورنہ پتھر کے بن جاؤ گے۔" باس نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"سمندر میں ڈوبنے سے تو یہی بہتر ہے کہ ہم پتھر کے ہو جائیں۔" آفتاب بولا۔

"قدم آگے بڑھاؤ۔ ورنہ تم لوگوں کے خون سے اس پانی کو رنگین کر دوں گا۔" وہ گر جا۔

اور ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

"ٹھہرو! اس کی آواز گونجی۔"

"اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ آفتاب جل گیا۔"

ایک شرط یہ تم لوگوں کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔"

یہی۔ شرط بھی بتا دیں۔ جب اتنی مہربانی کرنے پر آتے ہیں۔

"تم لوگ اس پیشے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو گے۔" کس پیشے کو؟ آفتاب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اسی کو۔ یعنی جاسوسی کے پیشے کو۔"

"ہم کون سا پیشہ اختیار کریں گے۔" میں نے جل بھن کر

کہا۔

"کچھ بھی کرنا۔ آلو چھولے، پیپنا۔ یا پکوڑے تل کر فروخت

کریں۔ اس سے کیا۔"

"افسوس۔ آفتاب نے سر د آہ بھری۔

"افسوس۔ کس بات پر افسوس کر رہے ہو؟"

"اس بات پر کہ ہم آپ کی یہ بات نہیں مان سکتے۔"

"میں اپنے اس پیشے سے عشق ہے۔ اس کے بغیر کھانا ہضم

نہیں ہو گا ہمارا۔"

"گویا تم۔ جان بچانے کے لیے اتنا سا وعدہ بھی نہیں کر

سکتے کہ یہ کام نہیں کریں گے۔"

"نہیں۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں۔ ہم اس وعدے کو پورا نہیں

کر سکیں گے۔ اور جب پورا نہیں کر سکتے تو پھر کریں کیوں۔"

میں جان بچانے کے لیے صیوٹ تو بولا جا سکتا ہے۔
"ہاں! بولا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم سے بولا نہیں جا رہا۔ بجائے ہم کسی پبلک فون بوتھ سے انکل کا شان کو فون کر
اس کا کیا کریں۔"

"تمہاری یہ بات سن کر دل بہت خوش ہوا۔ کاش میں وہ بھی پہلے یہیں آئیں گے۔ اور یہیں کے پولیس میں
بھی اس قدر مضبوط کردار کا مالک ہوتا۔ جاؤ۔ اسی خوشی میں کہ اس طرف روانہ ہوں گے، کیوں کہ یہ علاقہ ان کا نہیں
تم آزاد ہو۔ شہر کی طرف دوڑ لگا جاؤ۔"
"لگ۔ کیا واقعی؟"
"تو پھر چلیے۔"

"ہاں! اب جاؤ۔ اور سنو۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ باس مگر ہم پولیس اسٹیشن میں داخل ہو گئے۔ گیٹ پر موجود پہرہ دار
"لگ۔ کیوں کیا پتھر کے بن جائیں گے۔ آفتاب نے گھبراہٹ میں گھور کر دیکھا۔ ہمارے چیلے بگڑے ہوئے تھے؛
کما اور باس ہنسنے لگا۔
ہم نے شہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔"

تھے۔ ہمیں رہ رہ کر بیگم خاتمی کا خیال آ رہا تھا۔ ان کی نن۔ نہیں بڑے بھائی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ایک عدد
گاڑی بھی تو دیں رہ گئی تھی۔ بے چاری بیگم خاتمی۔ حادثات ہو گئی ہے۔ اس کی اطلاع دینا ہم نے اپنا فرض
ہماری وجہ سے ماری گئی تھیں۔ میرا دل اُلٹنے لگا۔ اور پھر اس لیے آئے ہیں۔
جوں ہی شہری مدد شروع ہوئیں۔ اور ہمیں ایک پولیس اسٹیشن "واردات۔ کیسی واردات؟"
نظر آیا۔ ہمارے اٹھتے قدم رُک گئے۔
"بہت ہولناک۔ بہت خطرناک۔ بہت خوفناک۔" آفتاب نے
"بس! ہم یہیں سے پولیس کو لے کر موقع واردات پر جلدی کہا۔"

جائیں گے۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"میرا خیال تو یہ ہے کہ اس جگہ کی پولیس سے بات کرنے "ہاں! ایک رہ تو گیا ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں۔ آفتاب ڈرے
میں سے انداز میں بولا۔"

"مجھے کیا پڑی ہے۔ کہ ڈالو وہ بھی۔"

"بہت الم ناک۔ آفتاب مسکرایا۔"

"مان گیا بھئی تمہیں۔ جاؤ۔ اندر جا کر۔ ارے نہیں۔"

نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ واردات ہو کیا گئی ہے۔"

"جی بس۔ ایک مدد قتل کی واردات ہو گئی ہے۔"

"ہیں۔ کیا کہا۔ قتل کی واردات۔ وہ بری طرح چونکا۔"

"جی ہاں! آپ نے تو اس طرح چونک کر کہا ہے کہ"

قتل کی واردات ہونا آج کل بالکل ناممکن ہو۔ جب کہ"

دیکھ رہے ہیں۔ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں۔ روزانہ"

کتنی ایسی وارداتیں ہو رہی ہیں۔"

"اندر جاؤ۔ اس نے بھٹا کر کہا۔"

اور ہم اندر کی طرف بڑھے۔ اندر دفتر میں ایک"

سب انسپکٹر نظر آیا۔ اس کی پیشانی پر، ہمیں دیکھتے ہی بڑ"

پڑ گئے۔"

"کون ہو تم لوگ؟"

"جی۔ جی۔ وہ۔ شوکی برادرز۔ میں نے گھبرا کر کہا۔"

"کیا کہا۔ شوکی برادرز۔ اس نے حلق پھاڑ کر کہا۔"

"جی ہاں! بالکل۔ ہم شوکی برادرز ہی ہیں۔ آپ کے"

سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ، ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"آج سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی معلوم"

ہوئی ہیں۔ وہ پھنکارا۔"

"ارے۔ وہ کیسے؟ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔"

"حوالدار سلطان خان۔ سب انسپکٹر نے بلند آواز میں کہا۔"

"یا اللہ رحم۔ آفتاب گھبرا گیا۔"

"جناب۔ ہم یہاں ایک رپورٹ درج کرانے آئے ہیں۔"

"اچھا۔ تو تم بھی رپورٹ درج کرانے آئے ہو۔ اس نے"

طنز یہ لہجے میں کہا۔"

"کیوں جناب۔ کیا ہم رپورٹ نہیں لکھوا سکتے؟ اشتقاق نے"

برا مان کر کہا۔"

"نہیں نہیں۔ ضرور لکھوا سکتے ہیں۔ بالکل لکھوا سکتے ہیں۔"

لیکن۔ وہ کہتے کہتے رک گیا۔"

"لیکن کیا۔ میں بولا۔"

"اُسی وقت ایک موٹے قد کا حوالدار اندر داخل ہوا۔"

"یس سر۔ اس نے سلوٹ مارتے ہوئے کہا۔"

"یہ۔ ان کو جانتے ہو۔ کون ہیں؟"

"بھلا میں کس طرح جان سکتا ہوں سر۔ میں کئی نئی"

ہوں۔"

"معتوب کیا نجومی سب کو جانتے ہیں۔ سب انسپکٹر نے کہیں"

نکالیں۔

”پتا نہیں سر۔ میں نے تو بس ایک بات کہی ہے۔“

”ادھر ادھر کی نہ ہانکو کر دو۔ یہ شوکی برادرز ہیں۔“

”ارے۔ کیا کہا آپ نے۔ شوکی برادرز ہیں۔ بھئی واہ۔ مزا آگیا۔ اس نے چلا کر کہا۔“

”لیکن جناب۔ اس میں مزا آنے کی کون سی بات ہے۔ اخلاق نے تھلا کر کہا۔“

”تم نہیں جانتے۔ ہمارے لیے یہ بہت مزے کی بات ہے۔ ویسے ابھی جب ہم تمہیں بتائیں گے تو تمہیں بھی بہت مزا آئے گا۔ حوالدار نے جلدی جلدی کہا۔“

”سلطان خان۔ اپنا کام شروع کرو۔“

”جی بہتر۔ آؤ بھئی۔ اس نے مرغیوں کو ہنکانے کے انداز میں ہاتھ پھیلا دیے۔“

”کیا مطلب۔ ارے بھئی۔ ہم یہاں ایک عدد واردات کی رپورٹ لکھوانے آئے ہیں۔“

”کیا کیا۔ تم اور رپورٹ لکھوانے آئے ہو۔ خیر۔ وہ ہم بعد میں لکھیں گے۔ پہلے ذرا حوالات تک چلو۔“

”کیوں۔ آپ کی حوالات کو کیا ہو گیا۔ خدا نخواستہ بیمار تو نہیں ہو گئیں محترمہ۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔“

”اے۔ اول فول نہ بکو۔ سیدھی طرح حوالات میں بند ہو۔“

”دور نہ میرے کانٹیل مار مار کر حوالات کے اندر لے جائیں گے تمہیں۔“

”آخر کیوں جناب۔ ہم نے کیا کیا ہے؟“

”لو۔ سلطان خان۔ پوچھ رہے ہیں۔ ہم نے کیا کیا ہے۔“

”انجان بن رہے ہیں بے چارے۔ اتنی خوفناک واردات کر کے بھی حوالدار نے منہ بنایا۔“

”آپ نے کیا فرمایا۔ ہم نے واردات کی ہے۔“

”ہاں بالکل۔ سب انپکٹر بولا۔“

”اور وہ کیا۔ ذرا یہ تو بتا دیں۔“

”پہلے حوالات کے اندر۔“

”اتنے میں چند کانٹیل بھی ہمارے گرد جمع ہو گئے اور میں دکیل کر حوالات کی طرف لے جانے لگے۔ ایسے میں آفتاب نے کہا:۔“

”اے کہتے ہیں۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔“

”لیکن ہم آسمان سے کب گرے ہیں۔ ہم تو ساحل سمندر سے چلے آ رہے ہیں۔ اشفاق بولا۔“

”معاذے پھر بھی فٹ بیٹھا ہے۔“

”ان محاوروں میں بس یہی بات بُری ہے۔ جب دیکھو۔“

فٹ بیٹھ جاتے ہیں: اشفاق نے ہٹنا کر کہا۔

اور پھر ہمیں حوالات میں دھکیل کر سالا لگا دیا گیا۔ تیز
بو کا ایک بھپکا ہمارے نتھنوں کا مزاج پوچھ گیا۔ ہم فوراً
سلاخوں سے جا لگے۔

بات بھی تو بتا دیں۔

انپکٹر صاحب فون کر رہے ہیں۔

کس کو؟ میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

ابھی معلوم ہو جائے گا۔

تب پھر ہمارے وکیل کو بھی فون کر دیں۔ ہم انجانا سا خطرہ
محسوس کر رہے ہیں۔ میں نے گہرا کر کہا۔

فکر نہ کرو۔ یہ خطرہ بہت جلد جانا پہچانا لگنے لگے گا۔

اللہ اپنا رحم فرمائے۔ آپ لوگوں کے ارادے تو نیک نہیں
لگتے۔ سنیے۔ ساحل سمندر پر ایک قتل کی واردات ہو گئی ہے۔
ہم تو اس کی اطلاع دینے آئے تھے۔

اس سلسلے میں بھی تم لوگوں سے بات کر لی جائے گی۔
پہلے ہم ذرا اپنے انعام تو حاصل کر لیں۔

پتا نہیں۔ آپ لوگ کس چکر میں ہیں۔ آفتاب بولا۔

بہت ہی دل خوش کن چکر میں۔

یہیجی بھائی جان۔ اب چکر بھی دل خوش کن ہونے لگے۔

اشفاق بولا۔

ابھی کیا۔ آگے آگے دیکھیے۔ ہوتا ہے کیا۔

اور وہ حوالات کے سامنے سے ہٹ گئے۔ ہم نے ایک
دوسرے کی طرف دیکھا۔ شدید الجھن کے آثار ایک دوسرے کے
چہرے پر نظر آئے۔ پھر آدھ گھنٹے بعد ایک کار تھانے کے
اندر داخل ہوئی۔ اس کار کو دیکھ کر ہم بری طرح چونکے۔
پھر اس میں سے اترنے والے آدمی کو دیکھ کر ہماری الجھن اور
بڑھ گئی۔ اسی وقت تیز قدموں کی آواز گونج اٹھی۔

نمبر ۱۱۲

سب انپکٹر، حوالدار اور کانسیبل دوڑ کر کار سے اترنے والے کی طرف پکے تھے۔ اور کار والا حوالات کی طرف بڑھا تھا اس نے ہمیں کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا:

”میری بیگم کہاں ہیں؟“

”یہی بتانے تو آئے تھے جناب۔ ان لوگوں نے بتانے کی مہلت ہی نہیں دی۔“ میں نے پرسکون آواز میں کہا۔

”چلو اب بتا دو۔“ مسٹر خاتاری بولے۔

”ہم۔ ایک بہت افسوس ناک اور بھیانک خبر سنانے لگے ہیں۔ ہمیں معاف کر دیجیے گا۔“ میں بولا۔

”کیا مطلب؟“

”آپ کی بیگم کو قتل کر دیا گیا ہے۔“

”کیا۔ نہیں۔ تھ۔ تو۔ تم نے انہیں قتل کر دیا۔ اُف۔“ انہوں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ منہ سے نکالے۔

”نہ۔ نہیں جناب آپ غلط سمجھے۔ ہم نے انہیں قتل نہیں کیا، قتل کرنے والے اور تھے۔ وہ چھ سات آدمی تھے۔ ایک ان کا باس تھا۔ باس نے انہیں ہمارے سامنے گولی ماری تھی۔ ہم اس جگہ آپ کو لے چلتے ہیں۔“

”بہت چالاک ہیں۔ انپکٹر صاحب۔ یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔“ مسٹر خاتاری بولے۔

”آپ فکر نہ کریں۔ ہم ان کی ساری چالاک چند گھنٹوں میں نکال دیں گے۔“

”بہت خوب۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں۔ یہ فوراً بتا دیں، میری بیگم کہاں ہیں۔“

”یہ بتائیں گے سر۔ ان کے فرشتے بھی بتائیں گے۔ سب انپکٹر نے کہا۔“

”حیرت ہے۔ آپ فرشتوں تک جا پہنچے۔ جب کہ ہم خود بتا رہے ہیں۔ آپ سن کیوں نہیں رہے۔ بیگم صاحبہ کی لاش پہاڑیوں میں پڑی ہے۔“

”میرا خیال ہے انپکٹر صاحب۔ یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔“ مسٹر خاتاری بولے۔

”پھر کیا کیا جائے۔ جو آپ فرمائیں۔“

”آپ انہیں بتا چکے ہیں کہ ان پر کیا الزام ہے۔“

”نہیں سر۔ میں نے سوچا تھا۔ آپ کے سامنے بتاؤں گا۔“

”تو بتا دیں۔ تاکہ ہم ان کا جواب سن لیں۔ اور پھر آپ اپنا کام شروع کر سکیں۔“

”بہت بہتر۔ مسٹر شوکی۔ آپ لوگوں کے خلاف ایک گھنٹا پہلے مسٹر خاتاری نے شہر کے ایک پولیس اسٹیشن میں یہ رپورٹ درج کرائی تھی کہ آپ لوگ ان کے گھر سے ان کی بیگم کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔“

”اوہ۔ یہ۔ یہ تو انہوں نے بہت زیادتی کی۔“

”کیوں۔ زیادتی کیوں کی۔ کیا یہ بات غلط ہے۔“

”بالکل غلط۔ پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ آپ نے یہ رپورٹ کس بنا پر لکھوائی۔ آپ تو اس وقت گھر میں تھے ہی نہیں جب ہم نے آپ کی بیگم سے ملاقات کی تھی۔“

”جوں ہی تم لوگ انہیں اغوا کر کے لے گئے تو میرے ملازمین نے مجھے یہ اطلاع دی۔ اور میں نے پہلا کام یہ کیا کہ رپورٹ درج کرا دی اور اس کو دوسرے پولیس اسٹیشنوں کی طرف بھی بھجوا دیا۔ یعنی بذریعہ فون۔ وہ بولے۔“

”افسوس! آپ نے ایک بالکل غلط رپورٹ درج کرائی۔ آپ ہمارے ساتھ چلیے۔ ہم آپ کو ان کی لاش دکھا دیں گے۔“

”کیا خیال ہے انسپٹر صاحب؟“

”چلے چلنے میں کیا حرج ہے۔ کیا خبر انہوں نے بیگم صاحبہ کو قتل کر دیا ہو۔“

”نہیں۔ یہ غلط ہے۔“

”حوالدار۔ تالا کھولو۔ اب اس معاملے کو پوری طرح دیکھنا ہوگا۔ ہمیں حوالات سے نکالا گیا۔ پھر ایک کار اور ایک جیپ سمندر کی طرف روانہ ہوئیں۔ میں نے سب انسپکٹر کو بتا دیا کہ کس طرف چلنا ہے۔ آخر ہم ان چٹانوں تک پہنچ گئے۔ گاڑیوں سے اتر کر ہم اس طرف بڑھے جس طرف ہماری ان لوگوں سے جھڑپ ہوئی تھی۔ جہاں باس نے گولی چلائی تھی۔“

”سب لوگ میرے پیچھے چل رہے تھے۔ اور میں شدید الجھن محسوس کر رہا تھا۔ ابھی تک میں سمجھ نہیں سکا تھا کہ کیا چکر چل رہا ہے۔ یا کیا چکر چلایا گیا ہے۔ پھر میرے قدم رک گئے۔ میں ٹھیک اس جگہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جہاں بیگم خاتاری گری تھیں۔ لیکن۔ ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہاں کوئی لاش موجود نہیں تھی۔“



”ارے! لاش کہاں گئی؟ میرے منہ سے نکلا۔“

”دیکھا انپکٹر صاحب۔ میں نہ کہتا تھا۔ یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ اب کڑ رہے ہیں۔ لاش کہاں گئی۔ آپ لوگوں کو اپنا کام شروع کرنا ہوگا۔ تبھی یہ بتائیں گے کہ انہوں نے میری بیگم کو کہاں قید کیا ہے۔“

”جی ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”ایک منٹ جناب۔ ایک منٹ۔ ہمیں آس پاس کا جائزہ لینے دیں۔ اگر ان لوگوں نے لاش یہاں سے اٹھالی۔ تو خون تو موجود ہونا چاہیے۔ خون دیکھ کر تو آپ کو یقین کرنا پڑے گا۔“

”اوہ! مسٹر غامادی کے منہ سے نکلا۔“

ہم پُر جوش انداز میں آگے بڑھے اور یہ دیکھ کر ہماری مٹی گم ہو گئی کہ وہاں خون کے قطرات بالکل نہیں تھے۔ ہم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس جگہ کو دیکھا۔ لیکن خون کا کوئی دھبہ تک نظر نہ آیا۔ اور خون کو اس حد تک اس پتھر ملی زمین سے صاف کیا، سی نہیں جا سکتا تھا۔ نہ وہاں پانی کے آثار تھے کہ ہم خیال کرتے۔ ان لوگوں نے ہمارے جانے کے بعد لاش کو وہاں سے ہٹا دیا اور جگہ کو دھو دیا۔ اس صورت میں دھونے کے آثار ہونے چاہئیں تھے۔ اب تو ہمیں خوب چکر پر چکر آئے :

”یہ سیدھی طرح نہیں بتائیں گے انپکٹر صاحب۔“

”جی ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن سر۔ ان کو لے کر ہمیں جانا تو پولیس اسٹیشن ہی پڑے گا۔ ہم وہیں جا کر ان کے ساتھ سلوک کریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ چلے چلتے ہیں۔“

ہمیں گاڑیوں کی طرف چلنے کے لیے کہا گیا۔ ہم مڑتے ہوئے بھی اس جگہ کو بغور دیکھتے رہے، لیکن کوشش کے باوجود خون کا کوئی دھبہ نظر نہ آ سکا۔

”ہمارا بھی کوئی حق ہے جناب۔ میں نے پُر زور لہجے میں کہا۔“

”کیا مطلب؟“

”ہمارے وکیل کو فون کیا جائے۔ ہم ان کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔“

”تمہارے وکیل کو فون کر دیا جائے گا، لیکن وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے، کیوں کہ صبح ہم تم لوگوں کا جسمانی ریہائڈ لے لیں گے۔“

”صبح سے پہلے اگر آپ لوگوں نے ہمیں ہاتھ لگایا تو نتیجہ آپ لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔ میں نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔“

"اوہو۔ یہ انداز۔ چوری اور سید زوری۔" مسٹر خاتاری بولے۔
 "آپ فکر نہ کریں سر۔ ہمارے پاس بہت نایاب قسم کے
 طریقے ہوتے ہیں۔ ہم ان کی مرمت اس طرح کریں گے کہ
 ان کے وکیل کے فرشتے بھی عدالت میں یہ بات ثابت نہیں
 کر سکتے کہ انھیں مارا پیٹا گیا ہے۔"

"بہت خوب۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ یہ میری بیگم
 مجھے لوٹا دیں۔ مجھے اس سے غرض نہیں کہ انھیں مارا پیٹا
 جاتا ہے یا نہیں۔"
 "ہوں۔ ٹھیک ہے۔"

اب یہ قافلہ واپس روانہ ہوا۔ ہمارے دل بُری طرح
 دھڑک رہے تھے۔ پولیس والوں سے رحم کی کوئی اُمید نہیں
 کی جاسکتی تھی۔ جب کہ ان کے لیے مسئلہ تھا مسٹر خاتاری کو
 خوش کرنے کا اور ان سے بھاری انعام حاصل کرنے کا۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر پھر ہمیں حوالات میں بند کر دیا گیا،
 مسٹر خاتاری واپس روانہ ہو گئے۔ چند منٹ بعد ہمیں پھر حوالات
 سے نکالا گیا اور ایک اور کمرے میں لایا گیا۔ یہاں مار پیٹ
 کے عجیب و غریب آلات نصب تھے۔

"ان کے کپڑے اُتار دو۔" سب انپکٹر نے کانٹیلوں کی طرف
 اشارہ کیا۔

"انپکٹر صاحب۔ آپ ایک غیر قانونی کام کر رہے ہیں۔ ابھی
 آپ نے ہمارا جسمانی ریمانڈ نہیں لیا۔"
 "تو کیا ہوا۔ صبح لے لوں گا۔ اس مار کو بھی ہم کل کی
 تاریخ میں دکھا دیں گے۔ اس نے کہا۔"

"اور اگر ریمانڈ نہ ملا؟ میں نے طغیہ لہجے میں کہا۔
 "ریمانڈ کیوں نہ ملے گا۔ ایک بہت بڑے آدمی کی بیگم کو
 اغوا کیا ہے تم لوگوں نے۔ ایسے کیسوں میں تو فوراً ریمانڈ مل
 جاتا ہے۔"

"نہیں ملے گا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں۔ ہمارا اس شہر میں کوئی
 نہیں۔ آفتاب نے چلا کر کہا۔
 "ذرا میں بھی تو سُنوں۔ کون ہے؟"

"سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اب آجائے ظاہری
 اسباب کی طرف۔ آئی جی صاحب ہمیں بہت پسند کرتے ہیں۔
 جج انوار عالم صاحب ہمیں اپنا دوست خیال کرتے ہیں۔
 کرنل فارانی صاحب ہمارے انکل ہیں۔ انپکٹر کا شان ہمارے دوست
 ہیں۔ اکبر راٹھور وکیل ہمارے ساتھی ہیں۔ اور ہر کیس میں ہمارے
 معاون ہیں۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔"

"لیکن۔ مسٹر خاتاری ان سب سے زیادہ حیثیت کے مالک ہیں۔
 "ہوں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جس کو چاہیں پٹوا

دیں۔ میں نے تلملا کر کہا۔

”خیر۔ تم سے جو ہو سکے۔ کر لینا۔“

ہمارا اوپر کا لباس اُتار دیا گیا، پھر ہمیں اونڈھے منہ لٹایا گیا۔ چمڑے کے لٹر برساتا شروع کر دو۔ اُس وقت تک برساتا جب تک کہ یہ چلا نہ اٹھیں کہ ہم بیگم خاتاری کا پتا بتاتے ہیں۔ سب انپکٹر نے حکم دیا۔

کانٹیل ہمارے نزدیک ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں چمڑے کے گیلے لٹر تھے۔ بے چوڑے۔ ان کو دیکھ کر مارے خوف کے ہم نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایسے میں میرے مُنہ سے نکلا: ”انپکٹر صاحب۔ ہم آپ سے اس زیادتی کا انتقام ضرور لیں گے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی لٹر برسنے لگے۔ اور ہماری چیخوں سے کمرہ گونجنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار ان لٹروں سے شناسائی ہو رہی تھی۔



ہمیں کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ کتنی دیر تک ہم پر یہ ظلم کیا گیا، پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک

کانٹیل اندر داخل ہوا:

”سر۔ سر۔ وہ ایک۔ وہ۔ اُس سے کہا نہ گیا۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو؟ سب انپکٹر غرایا۔“

”ان کے ہاتھ رکوا دیں سر۔ ان کے وہ آگئے ہیں۔ اُس نے کہا۔“

”کون وہ؟“

”میں حاضر ہوں جناب۔“ ہم نے اکبر راٹھور صاحب کی آواز سنی۔ نیم بے ہوشی کا عالم طاری تھا، لیکن پھر بھی ہم نے ان کی آواز پہچان لی تھی۔

”آپ کون ہیں اور بغیر اجازت یہاں کیسے داخل ہو گئے۔“ سب انپکٹر نے تلملا کر کہا۔

”یہ پولیس اسٹیشن ہے۔ کوئی پرائیویٹ رہائش گاہ نہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اکبر راٹھور ہوں۔ اس شہر کا ایک وکیل۔ اور۔ اور یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ ہائیں۔ میرے موٹروں کو ننگا لٹایا ہوا ہے۔ اور ان پر چمڑے کے لٹر برسائے جا رہے ہیں۔ آف مالک۔ ان کی کمریوں تو بالکل سُرخ ہو چکی ہیں۔ گویا انپکٹر صاحب۔ آپ ظلم کی انتہا کر چکے ہیں۔ آپ کو عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیا آپ ان کا جسمانی ریمانڈ لے چکے ہیں؟ انکل راٹھور جلدی جلدی

کہتے چلے گئے۔

"آپ۔ آپ اکبر راضی ہیں۔ سب انپکٹر کانپ گیا۔

"ہاں! آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"نہیں جناب۔ ان کا ریمانڈ صبح لیا جائے گا، لیکن آپ

پہلے یہ سن لیں کہ ان پر کس قدر بھیانک الزام ہے۔"

"الزام کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو۔ خوف ناک اور ہولناک

کیوں نہ ہو۔ آپ ان پر تشدد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

جب تک کہ عدالت سے جسمانی ریمانڈ نہ حاصل کر لیں۔"

"آپ نہیں جانتے۔ انہوں نے بیگم خاتاری کو اغوا کیا ہے۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔ ہزار فی صد غلط۔ یہ لوگ ایسا کام ہرگز

نہیں کر سکتے۔"

"آپ تو ان کے وکیل ہیں۔ آپ یہ نہیں کہیں گے تو اور

کون کہے گا۔ سب انپکٹر نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

"صرف میں ہی نہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ ان کے بارے

میں یہ کہیں گے۔ اور میں انہیں ان شاء اللہ عدالت میں پیش

کروں گا۔"

"آپ نے شاید نام پر غور نہیں کیا۔ ان پر مسٹر خاتاری کی

بیگم صاحبہ کے اغوا کا الزام ہے۔ سب انپکٹر نے جل کر کہا۔

"پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"وہ اس ملک کے بہت بڑے آدمی ہیں۔"

"بہت بڑے آدمی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس کو چاہیں

گرفتار کر دیں اور پٹوانا شروع کر دیں۔"

"تب آپ ان سے بات کر لیں۔ سب انپکٹر نے فوراً کہا۔

"مجھے ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ان چاروں

کو ابھی اور اسی وقت رہا کر رہے ہیں یا نہیں؟"

"جی نہیں۔ میں تو صبح ان کا ریمانڈ لوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ اب میں آپ سے دوسرے انداز سے

بات کروں گا۔"

یہ کہتے ہی وہ مڑے اور کمرے سے نکل گئے۔

"اب۔ اب کیا ہو گا سر۔ یہ تو طوفان اٹھا دے گا۔ شہر

کا بہت دھڑلے والا وکیل ہے۔ حوالدار نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ فوراً انہیں

پکڑے پہنا دو۔ اور حوالات میں بند کر دو۔ ہم اس بات سے

صاف انکار کر دیں گے کہ ہم نے انہیں مارا پیٹا ہے۔ سب انپکٹر

نے کہا۔

"لیکن سر۔ مسٹر راضی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ وہ تو ان کے وکیل ہیں۔ ان کے وکیل تو

یہی کہیں گے کہ ان کے منکلوں کو مارا پیٹا گیا ہے۔ لیکن

مذلت ان کے وکیل کے بیان کو توجہ کے قابل نہیں سمجھے گی۔
وہ گواہ طلب کرے گی۔ اور اکبر راٹھور کوئی گواہ پیش نہیں کر
سکیں گے۔

”بہت خوب سر۔ آپ کا بھی کوئی جواب نہیں۔ آخر آپ
نے بھی تو اسی دشت کی سیاحی میں ساری زندگی گزاری ہے۔“
حوالدار خوش ہو گیا۔
”جلدی کرو۔“

ہمیں جلدی جلدی کپڑے پہنائے گئے۔ پیروں پر چلنے کی
طاقت ہم میں نہیں تھی۔ اس لیے اٹھا اٹھا کر حوالات تک
پہنچایا گیا۔ اور تالا لگا دیا گیا۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد اکبر راٹھور صاحب کی شکل پھر نظر آئی،
اس بار ان کے ساتھ آئی جی صاحب، بیج صاحب، انکل فارانی
صاحب اور والد صاحب بھی آئے تھے۔ اور اکبر راٹھور نے عقل مندی
یہ کی تھی کہ دو اخباری رپورٹر اور ایک اخبار کا فوٹو گرافر بھی
ساتھ لے آئے تھے۔ فوٹو گرافر نے فوراً ہماری تصاویر اتار
لیں۔ اتنے میں ایک لمبی کار اندر داخل ہوئی۔ اور اس
میں سے مسٹر خاتاری اترے۔ ادھر اندر سے سب انپکٹر مینز
تانے وہاں آگیا۔

”انپکٹر صاحب۔ یہ سب کیا ہے۔ یہاں اتنے بہت سے

لوگ کیوں جمع ہیں؟ مسٹر خاتاری نے اکڑ کر کہا۔ ابھی اس نے
ان لوگوں کی طرف غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اور سب انپکٹر
نے دیکھا تھا۔“

”یہ ان لوگوں کی شرارت ہے سر۔ انہوں نے اپنے حمایتی
بلائے ہیں۔ سب انپکٹر نے جھٹکا کر کہا۔“

”بات حمایتی ہونے نہ ہونے کی نہیں۔ بات ہے غیر قانونی
تقدم کی۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ شوکی برادرز کو غیر قانونی طور
پر مارا پیٹا گیا ہے، ننگا کیا گیا ہے اور حوالات میں رکھا گیا
ہے اور زبردستی اپنے مطلب کا بیان لینے کی کوشش کی گئی ہے،
اگر یہ تمام باتیں غلط ہیں تو ہم ابھی اور اسی وقت واپس
چلے جاتے ہیں۔ ہم ہرگز ان کی حمایت نہیں کریں گے۔ کیا
خیال ہے؟ آئی جی صاحب نے جلدی جلدی کہا۔“

”اوہ۔ یہ آپ ہیں آئی جی انوار عالم صاحب۔ اور بیج
کریم الدین صاحب آپ بھی ہیں۔ حیرت ہے۔ اتنے بڑے
بڑے لوگوں نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی۔ آپ لوگ تو فون
کر کے انہیں حوالات سے بلوا سکتے تھے۔ مسٹر خاتاری نے حیرت زدہ
انداز میں کہا۔“

”اپنی آنکھوں سے ان کا حال بھی دیکھنا چاہتے تھے ہم۔“
بیج صاحب بولے۔

"شوکی۔ تم چاروں اپنی کمروں پر سے پکڑے ہٹا دو۔" کے گات۔

اکبر دانشور بولے۔

ہم نے منہ سے ایک لفظ کہے بغیر پکڑے ہٹا دیے اور سے نکال دو۔

کمری سلاخوں کی طرف کر دیں۔

"اُت۔ اُت۔ کئی آوازیں ابھریں۔

کھڑا تھا۔

"اب میں کیا کروں سر؟ سب انپکٹر نے گھبرا کر پوچھا۔

"اگر اپنی خیریت چاہتے ہو۔ اور ملازمت میں رہنے

کی خواہش ہے۔ تو ان لوگوں کو ہرگز نہ نکالنا۔ یہ لوگ تمہارا

مال بھی بیک نہیں کر سکتے۔"

او کے سر۔ اس نے خوش ہو کر کہا اور پھر ہمارے

ساتھیوں سے بولا:

"ان لوگوں کو حوالات سے نہیں نکالا جاسکتا جناب۔

"اچھی بات ہے۔ اب معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہے۔ لہذا

قانون کو حرکت میں آنا پڑے گا۔ آئی جی صاحب نے کہا اور

لبے لبے قدم اٹھاتے اندر کی طرف چلے۔ باقی لوگ وہیں کھڑے

رہے۔

آئی جی صاحب کی آواز ہم نے سنی۔ وہ کسی کو فون کر

رہے تھے۔ فون کر کے وہ پھر ہمارے پاس آکر کھڑے ہوئے۔

"ایک فون میں بھی کروں گا۔ خاتاری نے کہا۔

"ان لوگوں کو فوراً حوالات سے نکال دیا جائے۔ عدالت

میں حاضر ہونے کا حکم آپ لوگوں کو صبح سے پہلے مل جائے

گا۔" جی صاحب بولے۔

"لیکن سر۔ پہلے یہ تو سن لیں کہ ان پر الزام کیا ہے۔"

"کچھ بھی الزام کیوں نہ ہو۔ اغوا کا، قتل کا، چوری کا،

ڈکیتی کا۔ لیکن۔ یہ لوگ اس سلوک کے حق دار ہرگز نہیں تھے۔ ساتھیوں سے بولا:

"ان لوگوں کو رہا نہیں کیا جائے گا جناب۔" مسٹر خاتاری

نے بتلایا کر کہا۔

"مسٹر خاتاری۔ آپ جانتے ہیں۔ آپ کے اس جھلے کا کیا

مطلب لیا جائے گا۔ یہ کہ آپ نے انتظامی معاملے میں

دخل اندازی کی ہے۔ قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی

ہے۔ اور اس طرح آپ بھی اس مجرم میں برابر کے شریک

بن جاتے ہیں۔ آئی جی صاحب بولے۔

"آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ کون ہے۔ جو مجھے گرفتار

"ضرور کیجیے سر۔ بلکہ جلدی کیجیے۔" سب انپکٹر نے پریشان کر دیا۔

"آپ کو ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" غلام نے کہا۔
 "انوار عالم صاحب۔ آپ اپنے پیروں پر خود کھڑی مار رہے ہیں۔"

"حوالات کی چابی لے لو۔ اور ان چاروں کو باہر نکال لو۔" ہر ایک کے چہرے پر گہری الجھن کے آثار چکے ہوئے تھے جی صاحب نے جیسے مسٹر خانداری کا جملہ سنا ہی نہیں۔
 ہر کوئی سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ دونوں "اد کے سر۔"

پادشیاں پوری طرح تل گئی تھیں۔ ہمارے حمایتی کم اہم لوگ نہیں تھے، لیکن دوسری طرف بھی مسٹر خانداری تھے۔ اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کے ہاتھ بہت ادا پر تک ہیں۔ کچھ بمبڑی گاڑی میں بٹھایا گیا۔

ہو۔ ہم پر تشدد ضرور رک گیا تھا۔ اگر انکل اکبر رائے صاحب انہیں پولیس ہیڈ کوارٹر لے جا کر بند کر دو۔ آئیے بھئی وقت نہ پہنچتے تو نہ جانے کانٹیل ہمارا کیا حال کرتے۔ ادھیں یہ کہہ کر آئی جی صاحب اپنی جیب کی طرف بڑھ گئے۔
 موتے تو ہم ہو ہی گئے تھے۔

اور پھر پیشل پولیس کی ایک گاڑی تھانے کے سامنے رُک کر آئی تھی۔

پولیس والے جلدی جلدی اس سے اترنے لگے۔ پھر آن کی ابھی ہم پولیس اسٹیشن سے نہیں نکلے تھے کہ فون کی گھنٹی آن میں پولیس اسٹیشن کو گھیرے میں لے لیا۔ آئی جی صاحب نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ کیا :
 "فون سن لو، لیکن ہم جا رہے ہیں۔" کہہ دینا۔ وہ یہاں کانٹیل اندر آ گئے۔

"سب انپکٹر اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ جلدی جلدی کیا۔"

مسٹر خانداری کو بھی حراست میں لے لیں۔ انہیں میرے دفتر پہنچاؤ۔ "اد کے سر" اس نے کہا۔

"پولیس اسٹیشن کا انتظام اب تمہارے ذمے رہے گا۔ انھوں نے ماتحت سے کہا اور باہر کی طرف مڑ گئے۔
 جوں ہی ہم ہیڈ کوارٹر کے سامنے پہنچے۔ ایک انپیکٹر دوڑتا ہوا آئی جی صاحب تک پہنچا۔

"س۔ سر۔ گورنر صاحب کے سیکرٹری دو مرتبہ فون کر چکے ہیں۔
 "کوئی بات نہیں۔ انھوں نے منہ بنا کر کہا۔
 ہمیں ساتھ لیے وہ اپنے دفتر میں آئے۔ اور ہم پر نظریں جما دیں :

"تم لوگوں نے بیگم خاتاری کو اغوا تو نہیں کیا۔
 "ہرگز نہیں سر۔ یہ سراسر الزام ہے۔
 "واقعہ کیا ہوا ہے۔ وہ بولے۔

ہم نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے :
 حیرت ہے۔ لاش کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے غائب کر دی۔ تاکہ تم پر اغوا کا الزام عاید کیا جا سکے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہاں خون کیوں نہیں تھا۔ خون کے دھبے چٹانوں پر اس حد تک تو صاف نہیں کیے جا سکتے۔

"جی ہاں ! اسی بات نے تو ہمیں الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔

میں نے کہا۔
 "خیر۔ دیکھیں گے۔ کیا ہو سکتا ہے۔ تم لوگ اگر گھر جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ صبح تمہیں عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ ان لوگوں کو چھوڑا ہرگز نہیں جائے گا۔
 "بہت بہتر سر۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔

اسی وقت گھنٹی بجی۔ انھوں نے ریسور اٹھایا۔ بولے :
 "یس سر۔ انوار عالم بول رہا ہوں سر۔ جی۔ جی نہیں۔
 بات یہ نہیں ہے سر۔ بلکہ بات۔ جی۔ جی۔ ہاں جی۔ اوکے سر۔ لیکن۔ اوہ۔"

ان کی آواز بند ہو گئی۔ شاید دوسری طرف سے ریسور رکھ دیا گیا تھا۔ انھوں نے بھی تھکے تھکے انداز میں فون کا ریسور رکھ دیا اور بولے :

"فون پر گورنر صاحب خود تھے۔ انھوں نے درخواست کی ہے کہ مسٹر خاتاری کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ انہیں عزت اور احترام کے ساتھ گھر جانے دیا جائے۔ وہ شوکی برادرز پر لگایا جانے والا الزام واپس لے لیں گے۔ باقی رہ گیا سب انپیکٹر وغیرہ کا معاملہ۔ انھوں نے غیر قانونی مار پیٹ کی ہے۔ لہذا انہیں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔
 "چلیے خیر۔ یہ کچھ بُرا نہیں ہوا۔ میں نے کہا۔

"لیکن شوکی۔ مسٹر غاماری انتقامی کارروائی ضرور کریں گے۔ وہ بہت غصے والے آدمی ہیں۔"

"دیکھا جائے گا سر۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ کیا آپ گورنر صاحب کا حکم ماننے سے انکار کر سکتے ہیں۔"

"اگر تم کہو۔ تو میں یہ بھی کر گزروں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ مجھے ملازمت سے نکال دیا جائے گا۔"

"لیکن سر۔ اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ اس طرح تو ہماری پریشانی میں اضافہ ہو جائے گا۔ لہذا آپ گورنر صاحب کی بات ہی رہنے دیں۔ ہم سب کے حق میں بہتر یہی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

ہم وہاں سے باہر نکلے تو انکل کا شان بولے :

"مجھے تم لوگوں سے ایک ضروری کام ہے، لیکن شاید اس وقت تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے۔"

"آرام تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں انکل۔ آپ حکم فرمائیں۔"

"میرے ساتھ میرے پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔"

"تو پھر چلیے۔"

انکل فارانی اور بابا جان کو ہم نے وہیں سے رخصت کر دیا اور ان کے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچے۔

"میں نے تمہیں فون کیا تھا، لیکن اس سے چند منٹ پہلے

تم لوگ بیگم غاماری سے ملاقات کے لیے جا چکے تھے۔"

"اوہ۔ اچھا۔ میں بولا۔"

"میں بہت پریشان ہوں۔ تین دن پہلے میرے علاقے میں ایک سڑک کے کنارے ایک لاش پڑی ملی تھی۔ کسی کار کے نیچے آکر اس آدمی کا کچھ مر نکل گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس کے گھر والوں نے اسے شناخت کیا۔ وہ بہت بڑا گھرانہ ہے، فون پر فون کر رہے ہیں وہ۔ ان کا مطالبہ ہے۔ اس کار والے کو فوراً تلاش کر کے قانون کے حوالے کیا جائے۔ اور میں اپنی کوشش میں بُری طرح ناکام ہو گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں تم میری مدد کرو۔"

"بہت بہتر۔ ہم حاضر ہیں۔ آپ کے پاس اس سلسلے میں کیا کچھ معلومات ہیں؟"

"حادثہ رات کے وقت ہوا۔ مرنے والے کی اپنی کار خراب ہو گئی تھی۔ وہ کار سے اتر کر سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ تاکہ کسی کار والے سے مدد لے سکے۔ لیکن ایک کار آئی اور اسے پھل کر آگے بڑھ گئی۔ انکل کا شان نے بتایا۔"

"یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اپنی کار خراب ہو گئی تھی۔"

"کار اس کی لاش سے تھوڑے فاصلے پر پائی گئی۔ کار کو جب ان کے گھر والوں کو لے جانے کی اجازت دی گئی تو وہ شارٹ نہیں ہوئی۔ مستری کو بلانا پڑا۔ اس نے بھی دو گھنٹے کی محنت کے بعد اس کا نقص دور کیا۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس شخص کو قتل کرنا چاہتا ہو۔ اس نے سڑک پر اس کی کار روک کر اسے کار سے نیچے اتارا، سر پر کوئی چیز مار کر اسے بے ہوش کیا اور پھر اپنی کار اس پر سے گزار دی۔ تاکہ یہ حادثہ نظر آئے۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔"

"اور کار کی خرابی کو کس خانے میں فٹ کرو گے تم؟ انکل نے پوچھا۔"

"قاتل نے کار میں خود کوئی خرابی پیدا کر دی۔ تاکہ یہ خیال کیا جائے کہ اس کی کار میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے اسے نیچے اترنا پڑا۔ اور ایسے میں وہ ایک کار کے نیچے آکر کچلا گیا۔"

"ہاں! ہم نے اس پہلو پر غور کیا تھا، لیکن بات نہیں سنی۔ انکل کا شان بولے۔"

"لیکن کیوں نہیں بنی بات۔ سوال تو یہ ہے۔ آفتاب بولا۔ اس لیے کہ کار کے مستری کا کہنا ہے کہ — خرابی

انجن کے اندر ہوئی تھی۔ یہ خرابی انجن کو کھولے بغیر کی ہی نہیں جاسکتی تھی۔ مطلب یہ کہ خرابی خود ہوئی تھی۔ پیدا نہیں کی گئی تھی۔"

"ہوں! تو یہ بات ہے۔ اب آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کار والے کو تلاش کرنا ہے، لیکن چوں کہ وہ رات کا وقت تھا۔ اس لیے۔ اس کار والے کو کوئی دیکھ نہیں سکا، نہ اس کی کار کا نمبر اور رنگ وغیرہ دیکھا جاسکا۔"

"ہاں! اسی لیے تو مشکل پیش آ رہی ہے۔ انھوں نے کہا۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم اس کار والے کو تلاش کر دیں گے۔ آپ مقتول کا نام اور پتا لکھوا دیں۔ میں نے کہا اور آفتاب کو اشارہ کیا۔ وہ کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا۔"

"فرمان راہی۔ ۹۵۵ شاد روڈ۔"

"حادثہ کس جگہ ہوا۔ کیا وہ کوئی سنان جگہ تھی؟ نہیں۔ آباد سڑک تھی۔ اور رات بھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ انکل بولے۔"

"تب پھر۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی نے اس کار کو اور کار والے کو دیکھا نہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔ کسی نے دیکھا ہو۔ لیکن کسی نے یہ بات نہیں بتائی۔"

”خیر۔ حادثے کی جگہ بھی بتا دیں۔“

”ٹوری روڈ۔ نمبر ۱۱۲۔“ انھوں نے کہا۔

”بہت بہت شکریہ۔ ہم اسی وقت اس کیس پر کام شروع کر دیتے ہیں۔“

”لیکن شوکی۔ تم لوگوں کی حالت اس وقت بہت نازک ہے، کیوں نہ اس وقت آرام کر لو۔ اور کل کام شروع کر دو۔“

”نہیں انکل۔ ہم آرام کرنے کے عادی نہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ ہماری حالت بہت نازک ہے، لیکن پھر بھی ہم کام کریں گے۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ انھوں نے کہا۔

”دیے کیا آپ پر سرکاری طور پر بھی دباؤ پڑ رہا ہے؟“

”ہاں! بہت بڑے بڑے لوگ ان کے واقف ہیں۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔ ہم اس کار والے کو تلاش کر کے

چھوڑیں گے۔ اگرچہ اس کام میں محنت ہو گی۔“

”میں تم لوگوں کی کامیابی کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔“ انھوں نے کہا۔

”وہ کامیابی ہماری نہیں۔ آپ کی ہو گی۔“ آفتاب نے

”مسکرا کر کہا۔“

”انکل بھی مسکرا دیے۔ اور ہم ان سے رخصت ہو کر

سیدھے ٹوری روڈ پہنچے۔ ۱۱۲ نمبر کے سامنے پہنچ کر ہم رک گئے اور دونوں طرف کا بغور جائزہ لینے لگے۔ سڑک کے دونوں طرف مکانات تھے۔ یہ ایک بہت آباد علاقہ تھا۔ اور اس آبادی کے لوگ جلدی سونے کے عادی تو ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ کچھ سوچ کر میں نے نمبر ۱۱۲ کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

وہ کون تھی

جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی۔ ایک عورت کا چہرہ دکھائی دیا :

"فرمائیے؟ اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"تین دن پہلے۔ آپ کی کوٹھی کے بالکل سامنے۔ ایک حادثہ ہوا تھا۔ ایک آدمی کسی کی کار کے نیچے آ کر کھلا گیا تھا۔ جی ہاں! ایسا حادثہ یہاں ہو چکا ہے۔ پولیس پوچھ گچھ کر چکی ہے۔ اس نے کہا۔

"لیکن پولیس ابھی تک اس کار والے کو تلاش نہیں کر سکی۔ میں نے کہا۔

"تو پھر؟ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اب یہ کام ہمارے ذمے لگایا گیا ہے۔

"کیا مطلب۔ آپ کون ہیں؟

"ہم خادموں کو شوکی برادرز کہا جاتا ہے۔ آفتاب نے منہ

بنایا۔

"اوہو۔ اچھا۔ کیا واقعی۔

"جی ہاں! بس واقعی ہی سمجھ لیں۔ آفتاب بولا۔

"آئیے۔ اندر تشریف رکھیے۔

"کیا فائدہ؟ میں نے کندھے اچکائے۔ ساتھ میں منہ بھی

بنایا۔

"جی کیا مطلب؟ اس نے مجھے گھورا۔

"آپ کا نام؟ میں بولا۔

"میں شومی ہوں۔ شومی خالد۔ میرے شوہر خالد سرکاری

ملازم ہیں۔

"اگر آپ اس حادثے کے بارے میں کچھ بتا ہی نہیں

سکتیں تو پھر ہمارے اندر چل کر بیٹھنے کا کیا فائدہ؟ میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"ہو سکتا ہے۔ کچھ فائدہ ہو جائے۔ اس نے کہا۔

"اس صورت میں ہم ضرور بیٹھیں گے۔ آؤ بھئی۔"

ہم ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ اسی وقت بھاری قدموں

کی آواز سنائی دی، پھر ایک طاقت ور سا آدمی اندر داخل

ہوا :

"یہ ہیں میرے شوہر مسٹر خالد۔ اور خالد صاحب۔ یہ

شوکی برادرز ہیں۔

”ارے! ان کے منہ سے نکلا، پھر وہ ہمارے سامنے بیٹھ گئے۔“

”تین دن پہلے ہمارے گھر کے سامنے جو حادثہ ہوا تھا۔ یہ اسی سلسلے میں آئے ہیں۔“

”لیکن اس سلسلے میں تو پولیس پہلے ہی معلومات حاصل کر چکی ہے۔“

”جی ہاں۔ لیکن پولیس کو کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔ میں نے فوراً کہا۔“

”اوہو۔ اچھا! ان کے منہ سے نکلا۔“

”جی ہاں! اگر آپ کے تعاون سے ہم اس کار کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بات ہمارے حق میں بہت

بہتر رہے گی۔ آپ مدد کریں گے نا۔ میں نے درخواست کرنے کے انداز میں کہا۔“

”ہم جو کچھ بتا سکتے ہیں۔ وہ تو پہلے ہی بتا چکے ہیں۔“

”لیکن اس سے پولیس کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکی۔ خیر۔“

پہلے تو آپ ذرا یہ بتا دیں کہ پولیس کو آپ نے کیا بتایا تھا۔ میں نے کہا۔

”میں نے کی تیز آواز ضرور سنی تھی۔ جب دروازہ کھول کر دیکھا تو ہمارے دروازے کے سامنے ایک لاش پڑی تھی۔ اور وہ کار

غائب ہو چکی تھی۔“ خالد صاحب نے کہا۔

”کسی اور پڑوسی نے بھی کچھ نہیں دیکھا۔“

”جس جس نے بھی دیکھا۔ اس کار کے غائب ہونے کے بعد ہی دیکھا۔ جب کہ پولیس کو تلاش ہے اس کار کی۔ انہوں نے کہا۔“

”جی ہاں! یہ بات تو ہے۔ تو آپ اس کی جھلک تک نہیں دیکھ سکے۔“

”جی نہیں۔“

”معاف کیجیے گا۔ ہم آپ کی بات پر یقین نہیں کر سکتے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔“

”جی۔ کیا مطلب؟ خالد صاحب نے چونک کر کہا۔“

”مطلب یہ ہے کہ۔ آپ کی بیگم۔ آپ کے اس بیان کے حق میں نہیں ہیں۔ میں بولا۔“

”جی۔ کیا کہا۔ شومی خالد نے چلا کر کہا۔“

”کیا میں نے غلط کہا ہے؟“

”ہاں بالکل غلط۔ بھلا میں کیوں ان کے بیان کو غلط کہتا ہوں۔“

آپ نہ کہیں۔ لیکن ہے یہی بات۔ اور آپ کا جی چاہ رہا ہے کہ سچ بات کر دیں؟

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ مسٹر خالد جلدی سے بولے۔

”خیر۔ آپ کی مرضی۔ آپ نہ بتائیں۔ میں پولیس کو رپورٹ کرتا ہوں کہ آپ دونوں کچھ چھپا رہے ہیں۔ وہ آئیں گے اور آپ لوگوں کو تھانے لے جائیں گے۔ جب وہاں ذرا سخت لہجے میں بات کریں گے تو آپ فر فر بولنے لگیں گے۔“

”نہیں۔ آپ۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔“ بیگم خالد جلاٹیں کیوں نہیں کر سکتے۔ آپ قانون کی مدد کیوں نہیں کرتے؟

اس لیے۔ اس لیے۔ بیگم خالد کہنے لگی تھیں کہ مسٹر خالد چلا اٹھے:

”خاموش۔ بیگم۔ بالکل خاموش۔“

”پس ثابت ہو گیا کہ آپ لوگ کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہیں۔ آفتاب جاؤ۔ انسپکٹر کا شان صاحب کو فون کر دو۔ ان سے کہنا۔ فوراً یہاں پہنچیں۔“

ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ آپ کیوں ہمارے پیچھے چڑ گئے ہیں؟

”آپ کو چاہیے قانون کی مدد کریں۔“

”آپ نہیں جانتے۔ عدالتوں کے چکر لگانے پڑیں گے۔ گواہیاں دی جائیں گی۔ اور بعض اوقات تو عدالت میں سارا سارا دن لگ جاتا ہے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن یہ آپ کا اخلاقی فرض ہے۔ ملک کے قانون کے تحت آپ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ میں نے پُر زور لہجے میں کہا۔

”اچھی بات ہے۔ آپ کہتے ہیں تو بتا دیتے ہیں، لیکن ایک بات اور ہے۔ خالد نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”اور وہ کیا؟ میں نے فوراً کہا۔

”پولیس والے ہم پر بگڑیں گے نہیں۔ کہ پہلے یہ بات کیوں نہیں بتائی۔“

”نہیں بگڑیں گے۔ بلکہ شکریہ ادا کریں گے آپ کا۔ آپ کی طرح ہر شہری عدالتوں کے چکر لگانے سے گھبراتا ہے۔ فکر نہ کریں۔“

”بہت بہتر۔ اب میں بتاتا ہوں۔ جس وقت وہ حادثہ ہوا۔ میں گھر سے نکل رہا تھا۔ شومی دروازہ بند کرنے کے لیے میرے ساتھ آئی تھی۔ لہذا یہ بھی باہر دیکھ رہی تھیں، ہمارے دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ اور گھر کے بالکل سامنے ایک آدمی سڑک کے کنارے

کھڑا تھا۔ اس نے آنے والی کار کو روکنے کے لیے ہاتھ کا اشارہ دیا۔ بلکہ وہ سڑک کے درمیان میں آ گیا۔ اور یہی اس کی غلطی تھی۔ اس کو اس طرح اچانک سامنے نہیں آنا چاہیے تھا۔ بس کار اس کو کچلتی گزر گئی۔ لیکن نہیں۔ کار آگے جا کر رک گئی۔ واپس ہوئی۔ لاش کے پاس آ کر رُکی۔ پھر اس میں سے ایک عورت اُتری۔ اُس نے لاش کو جھک کر دیکھا۔ پھر گھبرا کر وہ سیدھی ہوئی۔ اپنی کار کی طرف دوڑ کر گئی۔ اور اس میں بیٹھتے ہی اس نے کار پوری رفتار پر چھوڑ دی۔ اس نے جان لیا تھا کہ وہ آدمی ختم ہو گیا ہے۔

"اور اس دوران آپ دونوں دروازے پر رہے؟"

"ہم۔ ہم تو فوراً اندر ہو گئے تھے۔ اور دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھ کر اسے دیکھتے رہے تھے۔ لیکن اس نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے بتایا۔"

"بہت خوب۔ یہ تو بہت کام کی بات ہو گئی۔ اب مہربانی فرما کر اس عورت کا حلیہ۔ اگر آپ بتا سکیں۔"

"ہاں! ہم نے اس کو غور سے دیکھا تھا۔ اور ہم اس کا حلیہ لکھوا سکتے ہیں۔"

"واہ۔ مزا آگیا۔ جلدی لکھوائیں۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔"

"کچھ لیں۔ اس کا رنگ گورا تھا۔ چہرہ گول تھا۔ بالکل گول آنکھیں سیاہ رنگ کی اور گولائی لیے ہوئے تھیں۔ ناک بالکل سیدھی تھی۔ سر کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اور بہت لمبے تھے۔ گردن لمبی تھی۔ یہاں تک کہ سر مٹر خالد خاموش ہو گئے۔"

"اگر آپ اس کو پھر دیکھیں تو کیا پہچان لیں گے؟"

"ہاں بالکل۔ مٹر خالد نے فوراً کہا۔"

"شکریہ۔ ہم شاید آپ کو پھر زحمت دیں؟"

"کوئی بات نہیں۔ دونوں نے کندھے اچکائے۔"

ہم باہر نکل آئے۔

"کیا خیال ہے۔ یہ حلیہ سن کر کسی عورت کا نام ذہن میں آیا۔ میں نے ان سے کہا۔"

"نہیں تو۔ ایسی تو کوئی بات محسوس نہیں ہوئی۔"

"لیکن میرے ذہن میں ایک عورت کا نام آگیا ہے۔ میں نے پرجوش انداز میں کہا۔"

"اوہو اچھا۔ کمال ہے۔ کون ہے وہ؟"

"ایسے نہیں۔ پہلے میں خود اطمینان کر لوں۔"

"ویسے بھائی جان۔ بات اس مرتبہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم ایک کیس کو درمیان میں چھوڑ کر دوسرے کے پیچھے لگ گئے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ پہلا کیس بھی ذہن میں ہے۔ اور ہم

اس پر اب باقاعدہ کام شروع کریں گے۔ یہ تو انکل کی پریشانی کو دیکھ کر ہم نے درمیان میں شروع کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ اس مرتبہ ہم ایک ہی وقت میں دو کیسوں پر کام کریں گے۔

”اور معاوضہ دونوں کا نہیں ملے گا۔ آفتاب نے منہ بنایا۔“ خیر کوئی بات نہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ میں نے گنگنا کے انداز میں کہا۔

”گویا ہمیں ان قاتلوں کو تلاش کرنا ہو گا۔ جنہوں نے بیگم خاتاری کو قتل کیا ہے۔ اور ان سے معلوم کرنا ہو گا کہ لاش کہاں ہے۔“

”ہاں بالکل۔ ہم یہ کام کر کے رہیں گے۔ تاکہ ہم پر جو اغوا کا الزام عاید کیا گیا ہے۔ وہ دھل جائے۔“

ہم گھر پہنچے۔ میں اخبارات کی فائلوں میں گم ہو گیا۔ تینوں کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کیا تلاش کر رہا ہوں۔ آخر میں نے تین اخبار نکالے اور ان سے بولا:

”تم تینوں میرے ساتھ چلو گے یا آرام کرو گے، کیوں کہ ہماری حالتیں کچھ زیادہ اچھی نہیں ہیں۔“

”ہم ساتھ چلیں گے۔ آپ کی حالت بھی، سم سے بہتر تو نہیں۔“ آفتاب نے برا مان کر کہا۔

”تو پھر چلو۔“

”لیکن جانا کہاں ہے؟“

”آؤ۔ زیادہ سوالات کرنا اچھا نہیں لگتا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔“

ہم ایک بار پھر مسٹر خالد کے دروازے پر پہنچے۔ میں نے گنگنی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دو منٹ بعد خالد اور شومی نے دروازہ کھولا:

”اوہو۔ آپ تو بہت جلدی آ گئے۔“

جی ہاں! ایک خاص بات کی تصدیق کے لیے آئے بغیر پارہ نہیں تھا۔ مہربانی فرما کر ہمیں اندر آنے دیں اور دروازہ بند کر دیں۔ کہیں کوئی ہمارے تعاقب میں نہ ہو۔“

”اوہ! دونوں سہم گئے۔“

”یہ مطلب نہیں تھا کہ ضرور کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ میں نے کہا اور انہوں نے راستا چھوڑ دیا۔“

ہم اندر داخل ہو گئے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد میں نے ایک اخبار کھولا اور اس میں لگی ایک تصویر پر انگلی رکھ کر میں نے پوچھا:

”غور کریں۔ کیا وہ یہی عورت تو نہیں تھی؟ یہ کہنے سے پہلے میں نے اس عورت کے بارے میں جو خبر شائع ہوئی تھی،

اس پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ دونوں نے جوں ہی اس تصویر کو دیکھا، ایک ساتھ بول اٹھے :

”بالکل یہی تھی؟“

”اوہ۔“ اشفاق، اخلاق اور آفتاب دھک سے رہ گئے۔ کیوں کہ وہ تصویر بیگم خاتاری کی تھی۔



”کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں؟“

”بالکل! ہم نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا، کیوں کہ جب وہ لاش پر جھکی تھی تو اس کا چہرہ بالکل ہمارے دروازے کی طرف تھا۔“ شومی نے جلدی جلدی کہا۔

”اچھا۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ یہ عورت کون ہے؟“

”جی نہیں۔ ہم اس کو نہیں جانتے۔ خالد نے کہا۔“

”اگر میں یہ کہوں کہ یہ بیگم خاتاری کی تصویر ہے تو۔“

”ارے! دونوں اچھل پڑے، پھر خالد نے کہا :

”یہ۔ یہ تو پھر بہت مشہور عورت ہیں۔ ان کے شوہر

مسٹر خاتاری کے تو بہت چرچے کئے ہیں۔“

”ہاں! لیکن افسوس۔ انہوں نے بہت بزدلی کا مظاہرہ

کیا۔ انہیں یہاں رک کر پولیس کو فون کرنا چاہیے تھا۔ اور پولیس کے آنے کے بعد سارا واقعہ کہہ سنانا چاہیے تھا۔ پولیس شاید ان کو گرفتار بھی نہ کرتی، کیوں کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا، لیکن وہ ڈر گئیں۔ کہ کہیں پولیس ان کا سراغ نہ لگا لے۔ خیر جناب۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اب ہمیں اجازت دیں۔ یہ کہتے ہوئے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اب ہمارا رخ انکل کا شان کی طرف تھا، کیوں کہ ان کے لیے ہمارے پاس ایک سنسنی خیز خبر تھی۔ اور یہ بھی عجیب دل چسپ بات تھی کہ دوسرا کیس ہمارے پہلے کیس سے جا ملا تھا۔

اب ہمیں صرف ان قاتلوں کی تلاش تھی۔ جنہوں نے بیگم خاتاری کو قتل کیا تھا۔

انکل کا شان گھر میں سوئے ہوئے تھے، لیکن انہیں اٹھنا پڑا۔ ہمیں دیکھتے ہی ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار پھیل گئے :

”بھئی صبح نہیں آ سکتے تھے؟“

”اگر یہ بات ہے انکل تو ہم چلے جاتے ہیں۔ صبح آ جائیں گے۔ آفتاب نے فوراً کہا۔“

"اب کیا فائدہ۔ اب تو میں جاگ چکا ہوں۔ ہاں۔ کیا خبر ہے؟"

"آپ کا معاملہ حل کر چکے ہیں۔ مٹھائی کا انتظام کریں۔ میں بولا۔"

"اس وقت مٹھائی۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ انکل کاشان حل گئے۔"

"چلیے۔ صبح کھلا دیجیے گا۔"

"لیکن پہلے معلوم بھی تو ہو۔"

"ہم نے اس کا پتا چلا لیا ہے۔ جس نے فرمان راہی کو پھلایا تھا۔"

"اوہو اچھا۔ کمال ہے۔ ہم تو پورا زور لگا کر بھی پتا نہیں چلا سکے۔ تم نے کیسے چلا لیا؟"

"ہمارا طریقہ ذرا بے وقوفانہ ہے۔" آفتاب نے شرما کر کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم بھی بیوقوفی پر اتر آئیں؟"

"توبہ کریں۔ ہم بھلا یہ کیوں چاہنے لگے۔ اس طرح تو آپ آں کی آن میں کیس حل کر لیں گے اور ہمارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔" آفتاب نے شریر لہجے میں کہا۔

"آفتاب۔ مار تو نہیں کھاؤ گے؟"

"اس وقت تو بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔ جب بھی محسوس ہوئی۔ آپ کی خدمات حاصل کریں گے۔ ویسے ایک آدھ سال تک تو بھوک لگے کی نہیں، کیوں کہ سب انلیکٹر نے خوب پیٹ بھر دیا ہے ہمارا۔"

"اچھا یار۔ تم بات بتاؤ۔ انہوں نے بھٹا کر کہا۔"

"فرمان راہی کو کھینچنے والی دراصل ایک عورت تھی۔ فرمان راہی نے اسے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ہاتھ کا اشارہ دیا تھا، لیکن پھر وہ اچانک سڑک کے درمیان میں آگیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ تو کار کے نیچے نہ آتا۔ وہ عورت پہلے تو اس کو کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی، پھر واپس پلٹی۔"

"کیا کہا۔ واپس پلٹی۔ انکل کاشان حیران رہ گئے۔"

"جی ہاں! واپس پلٹی۔ لاش کے پاس پہنچی اور جب اس نے دیکھا کہ وہ مرچکا ہے تو دوڑ لگا گئی۔"

"لیکن۔ لیکن تم نے یہ سب باتیں کس طرح معلوم کر لیں؟"

"یہ ہم نہیں بتائیں گے۔ میں نے منہ بنا کر کہا۔"

"کیوں کیوں؟ وہ جلدی سے بولے۔"

"اس لیے کہ۔ یہ کاروباری راز ہے۔ کیا خبر آپ سرکاری ملازمت چھوڑ کر پرائیویٹ سراغ رسانی کا ادارہ کھول کر"

بیٹھ جائیں۔ اور ہم ٹامک ٹوئیاں مارنے پر مجبور ہو جائیں۔
 "تم ادھر ادھر کی ٹانگے سے باز نہیں آؤ گے۔"
 "پہلے آ گئے۔ اب یہ بھی سن لیں کہ وہ عورت کون تھی۔
 اس کا نام بیگم خاتاری تھا۔
 "کیا!!!"

شکار گاہ

انگل کاشان کی حیرت دیکھنے کے قابل تھی۔ کئی سیکڑ تک
 تو ان کے منہ سے آواز نہ نکل سکی، آخر بولے :
 "کیا اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے؟"
 "ہاں انگل ! ہم اپنا اطمینان کر چکے ہیں۔"
 "لیکن افسوس ! ہم بیگم خاتاری سے پوچھ گچھ نہیں کر سکتے۔
 انہیں گرفتار کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ تمہارا بیان یہ ہے کہ
 انہیں ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اور خاتاری نے یہ رپورٹ درج
 کرائی ہے کہ انہیں تم نے اغوا کر لیا ہے۔"
 "ہاں ! یہی بات ہے۔ ہم نے انہیں اغوا تو خیر نہیں کیا،
 لیکن ساحل سمندر تک وہ ہمارے ساتھ ہی گئی تھیں۔ اور وہاں
 ان حملہ آوروں نے انہیں ختم کیا۔ لہذا یہ دونوں جھگڑے تو
 ہو گئے ختم۔ اب تو ہمیں ان کے قاتلوں کو گرفتار کرانا ہے
 اور ان سے یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں بیگم خاتاری کو قتل کرنے

کی کیا ضرورت تھی۔
 "ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن انہیں تلاش کس طرح کرو گے؟"

"یہ ہمارا کام ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں نے فوراً کہا۔
 اُن سے رخصت ہو کر ہم سیدھے خاتاری ہاؤس پہنچے۔
 دروازے پر دُہری دونوں پہرے دار موجود تھے۔ ہمیں دیکھ کر
 وہ زور سے چونکے۔ اور جب ہم ان کی طرف بڑھے تو ان کی
 حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا:

"زیادہ حیران نہ ہوں اور مسٹر خاتاری کو اطلاع دیں۔ ہم
 آئے ہیں۔"

"ہوں۔ اچھا۔ ان میں سے ایک نے کہا اور فون پر بات
 کی، پھر بولا:

"آئیے۔ مسٹر خاتاری آپ سے بات کریں گے۔"

"شکریہ؟ ہم ایک ساتھ بولے۔"

ہم اس کے ساتھ اندر پہنچے۔ پہلے ہمیں بیگم خاتاری کے
 کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ اس مرتبہ جس کمرے میں لے
 جایا گیا، وہ اس کمرے کے سامنے تھا۔

"اندر چلے جائیں۔ مسٹر خاتاری آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔
 اس نے کہا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ مسٹر خاتاری ایک صوفے

میں دھنسے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں بہت تیز نظروں سے
 گھورا:

"تم لوگوں کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ ویسے میں تمہیں
 چھوڑوں گا ہرگز نہیں۔ اس سلسلے میں کوشش شروع کر چکا
 ہوں۔ وہ بولے۔"

"یہ آپ کی نوازش ہے۔ ہم بیگم صاحبہ کے قاتلوں کی
 تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ میں نے پُر سکون آواز میں کہا۔
 "کیا مطلب۔ کیا تمہارا خیال ہے۔ ان کا قاتل میں ہوں،
 ویسے تو مجھے اس بات پر ایک فی صد بھی یقین نہیں کہ انہیں
 قتل کیا جا چکا ہے۔ انہیں تو تم لوگوں نے کہیں قید کر رکھا
 ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔"

"ہم ایسے کام نہیں کرتے۔ ایک سوال نے ہمیں الجھن
 میں ڈال رکھا ہے۔"

"اور وہ سوال کیا ہے؟ انہوں نے منہ بنایا۔"

"بیگم صاحبہ نے ہماری والدہ کو فون کر کے ہمیں بلایا تھا۔
 ہم نے ان سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات کس طرح ہوئی۔ یا
 ہم ان سے ملاقات کرنے میں کس طرح کامیاب ہوئے۔ یہ
 ایک الگ کہانی ہے۔ اس وقت اس کہانی کو دہرانے کی
 ضرورت نہیں۔ ملاقات کرنے پر معلوم ہوا، وہ ہمیں کوئی خاص

بات بتانا چاہتی ہیں۔ انہیں یہ خطرہ بھی تھا کہ ان کی بات چیت سُنی نہ لی جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں۔ ہم نے ان کے کمرے کی تلاشی لی۔ کمرے میں آوازیں کیج کرنے کا ایک نسخہ سا آدرا موجود تھا۔ گویا اس کمرے میں ہونے والی گفت گو اس محل میں یا محل سے باہر آس پاس کہیں سُنی جانے والی تھی۔ لہذا ہم نے پروگرام طے کیا کہ بات چیت ساحل سمندر پر جا کر کی جائے۔ بیگم صاحبہ تیار ہو گئیں۔ لیکن ابھی انہوں نے بات شروع نہیں کی تھی کہ حملہ آور ہم پر ٹوٹ پڑے۔ اور پھر ان کا ایک اور ساتھی دہاں نمودار ہوا۔ جس کو وہ باس کڑ کر پکار رہے تھے۔ اس نے فائر کیا اور ہم نے بیگم صاحبہ کی چیخ سُنی۔ انہیں گرتے بھی دیکھا۔ ادھر ہمیں باس کی گولیوں سے بچنے کا مسئلہ تھا۔ ہم لڑھک گئے۔ پہلے حملہ آوروں کا ارادہ ہمیں سمندر میں ڈبوئے کا تھا، لیکن پھر ان کے ذہنوں میں نہ جانے کیا آئی کہ ہمیں شہر کی طرف دوڑ لگانے کی اجازت دے دی اور ہم بھاگ آئے۔ اس پولیس اسٹیشن پر یہ اطلاع دینے گئے تھے کہ چٹانوں پر ایک خاتون کو قتل کر دیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے ہمیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ لہذا آپ ہمدی سب سے بڑی الجھن رفع کر دیں۔

”کون سی الجھن۔ ابھی تم نے یہ بات کہاں بتائی ہے۔ مسٹر خاتاری نے جھٹکا کر کہا۔

”ہم یہاں سے بیگم صاحبہ کے ساتھ ان کی کار میں پُرسکون حالت میں روانہ ہوئے تھے۔ سید سے ساحل پر گئے اور وہاں سے دوڑ کر اس پولیس اسٹیشن تک آئے۔ اس سارے کام میں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے صرف ہوئے ہوں گے، لیکن دو گھنٹے کے اندر اندر آپ نے تمام پولیس اسٹیشنوں کو یہ اطلاع کیوں کر بھجوا دی کہ آپ کی بیگم کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ آخر آپ نے اغوا کا خیال کس طرح قائم کر لیا؟

”یہ خیال میں نے نہیں۔ میرے گھر کے ملازمین نے مجھے دلایا تھا۔ مجھے فون کیا گیا کہ بیگم صاحبہ کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ میں نے اپنے دفتر سے ہی اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن کو فون کیا۔ اور وہاں سے سارے شہر کے پولیس اسٹیشنوں کو اطلاع دی گئی۔

”گویا آپ کے ملازم نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ اغوا ہم نے کیا ہے۔

”ہاں! یہی بات ہے۔

”شکریہ! ہم اس ملازم سے ملنا چاہتے ہیں۔ آخر اس نے آپ کو فون پر یہ کس طرح کڑ دیا کہ بیگم صاحبہ کو ہم نے

اغوا کر لیا ہے۔ جب کہ ہم اُن کے ساتھ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تھے۔

”اچھا! میں اس ملازم کو یہیں بلوا لیتا ہوں۔“ وہ بولے۔
”شکریہ جناب! میں نے کہا اور انہوں نے ایک ٹن دبا دیا۔ فوراً ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا:
”رشید کو بھیج دو۔“ انہوں نے کہا۔

”او کے سر۔“ ملازم بولا اور واپس مڑ گیا۔ جلد ہی ایک سیاہ رنگت کا درمیانے قد والا آدمی اندر داخل ہوا۔
”اس نے مجھے فون کیا تھا۔ تم اس سے سوالات کر سکتے ہو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”مستر رشید۔ آپ نے مسٹر خانداری کو فون کیا تھا کہ ہم ان کی بیگم کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔“
”جی ہاں! میں نے ہی فون کیا تھا۔ اس نے کہا۔ میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا، پھر بولا:

”آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا کہ ہم انہیں اغوا کر کے لے جا رہے ہیں؟ دوسرے یہ کہ کیا آپ ہمیں پہچانتے ہیں؟“
”ہاں! میں آپ لوگوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ جب بیگم صاحبہ آپ کے ساتھ کار میں بیٹھیں۔ اس وقت میں ان کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت خوف زدہ نظر آئیں۔“

بس اسی بات سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا۔ آپ میں سے کسی کے ہاتھ میں پستول ہوگا اور پستول کی نال ان کی پسلیوں کو چھو رہی ہوگی۔ لہذا وہ کسی کو بتانے کے قابل نہیں ہوں گی کہ انہیں اغوا کیا جا رہا ہے۔ بس میں نے فوراً صاحب کو فون کر دیا۔

”ہوں! مسٹر رشید۔ ایک سوال اور۔ آپ جاسوسی ناول پڑھنے کے شوقین تو نہیں ہیں؟“

”ہاں! بہت۔ آپ نے کیسے جانا۔“ اس نے چہک کر کہا۔
”جاسوسی ناول پڑھنے والے جاسوسی خیالات میں رہتے ہیں۔ اور عام طور پر غلط باتیں سوچتے ہیں۔ ایسا ہی آپ نے کیا۔ ہم انہیں اغوا کر کے نہیں لے جا رہے تھے۔ وہ تو خود بخوشی ہمارے ساتھ گئی تھیں۔ انہیں کوئی بہت اہم بات ہمیں بتانا تھی۔ ویسے وہ خوف زدہ ضرور تھیں۔ اچھا خیر۔ مسٹر رشید آپ جا سکتے ہیں۔“

”شکریہ! اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔“

”اب آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا آپ اب بھی کہیں گے کہ ہم نے آپ کی بیگم کو اغوا کیا ہے؟“
”ابھی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ صورت حال بالکل واضح

نہیں ہے۔ انھوں نے کہا۔

”سوال یہ ہے کہ بیگم صاحبہ خوف زدہ کیوں تھیں۔ یا کس سے خوف زدہ تھیں؟ میں بڑ بڑایا۔

”میں تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں کرتا۔ انھوں نے کندھے اچکائے۔

”خیر۔ اب آپ ایک خبر سنئے۔ تین دن پہلے ثوری روڈ پر ایک شخص کار کے حادثے میں مارا گیا تھا۔ مرنے والے کا نام فرمان راہی تھا۔ اس کی اپنی کار خراب ہو گئی تھی۔ وہ کار سے اتر کر سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ تاکہ کسی کار والے سے مدد مانگے۔ ایسے میں ایک خاتون کار میں دہاں سے گزریں۔ سٹر فرمان راہی نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ ایسے میں وہ سڑک پر آ گیا۔ اور خاتون کی کار اُسے کچلتے ہوئے گزر گئی، خاتون نے اس غریب کو ہسپتال پہنچانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ نہ پولیس کو اطلاع دی۔ کہ اس سے یہ حادثہ ہو گیا ہے۔ بس اس نے کار میں دوڑ لگا دی۔ یہاں تک کہ کڑک میں خاموش ہو گیا۔

”ایک حادثے کی خبر میں نے اخبار میں پڑھی تو تھی، لیکن اس میں کسی خاتون کا ذکر تو ہے نہیں۔ سٹر خاتون کی بولے۔

”جی ہاں! یہ بات پولیس والے معلوم نہیں کر سکے۔ ہم

نے معلوم کی ہے۔ اور اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ لیکن یہ بات تم لوگ مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ اس لیے کہ اس خاتون کا نام بیگم خاتون ہے۔ آفتاب مسکرایا۔

”کیا!؟ سٹر خاتون چلا اُٹھے۔

”ہاں جناب! لیکن اب آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بیگم صاحبہ کو تو کسی نامعلوم نے قتل کر دیا ہے۔ اب پولیس انھیں گرفتار نہیں کر سکے گی۔

”ہوں! میں ابھی اس بات کو درست ماننے پر تیار نہیں، کیوں کہ میں نے اپنی بیگم کی لاش اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔ ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ فکر نہ کریں۔ ہم ان شاء اللہ لاش بھی برآمد کریں گے اور ان کے قاتل کو بھی گرفتار کریں گے۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔

”اور کچھ پوچھنا ہے؟

”جی۔ جی نہیں۔ میں نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

”مجھے دراصل شکار پر جانا ہے۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور میرے ملازم انتظار کر رہے ہیں۔

”اوہ اچھا۔ تب تو ہمیں چلنا چاہیے۔

”بہت بہت شکریہ! انھوں نے کہا اور ہم اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اُسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا اور بولا :

"ہم لیٹ ہو رہے ہیں جناب"

"اوہ ہاں۔ چلو۔ میں بھی تیار ہوں"

"آپ کن اطراف میں جائیں گے؟ میں بولا۔

"کیوں۔ یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔"

"ہو سکتا ہے۔ ہمیں کچھ اور پوچھنے کی ضرورت پیش آ

جائے۔"

"تو پھر میرا انتظار کر لینا۔ میری شکار گاہ کی طرف آنے

کی زحمت نہ کرنا۔ میں وہاں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔"

"بہت بہتر۔ ویسے ہم بھی شکار کے بہت شوقین ہیں۔"

آفتاب بولا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں تم لوگوں کو اپنے ساتھ

شکار پر لے جاؤں۔ نہیں بھئی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ فی الحال

تو میں تم لوگوں کو اپنا دشمن خیال کر رہا ہوں۔ جب تک

بیگم کا معاملہ صاف نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک تو میں تم

لوگوں سے خوش ہو کر بات بھی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے

جلدی جلدی کہا۔

"بہت بہتر۔ آؤ بھئی چلیں۔ میں نے منہ بنا کر کہا۔

باہر نکل کر ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا :

"انکل کا شان کو فون کرنا ہوگا۔ معاملہ اور الجھ گیا ہے۔"

میں نے سرسراہتی آواز میں کہا اور پھر فوراً ایک پبلک فون بوتھ

کی طرف بڑھا۔ گھبراہٹ کے عالم میں میں نے ان کے نمبر

ڈائل کیے، پھر ان کی آواز سُنتے ہی بولا :

"السلام علیکم انکل۔ مسٹر غامادی شکار پر جا رہے ہیں۔"

"اچھا۔ تو پھر۔ میں کیا کروں۔ مجھے تو شکار سے کوئی

دل چسپی نہیں۔ وہ بولے۔

"آپ کو نہ ہو۔ ہمیں ضرور ہے۔ میں نے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا تم ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ ہم یہ جانا چاہتے ہیں کہ وہ شکار کھیلنے کہاں

جا رہے ہیں؟"

"لیکن میں یہ بات تمہیں کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"معلوم تو کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا۔

"اوہ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ان کا تعاقب کیا جائے۔"

"ہاں بالکل۔ لیکن اس انداز سے کہ ان کے فرشتوں کو بھی

تعاقب کا شبہ نہ ہونے پائے۔ ورنہ وہ آپ کے لیے بھی

مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیں گے۔"

"ہوں اچھا۔ تم فکر نہ کرو۔ انہوں نے کہا اور ریسپور رکھ دیا،

اب میں ان کی طرف مڑا :

"دو تین باتوں پر مجھے بہت حیرت ہو رہی ہے۔ اور میں ان چٹانوں کی طرف جانے کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔"

"پہلے تو یہ بتائیں۔ آپ کو حیرت کن باتوں پر ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔ پہلے چٹانوں کی طرف چلتے ہیں۔ راستا میں بتاؤں گا۔"

میں نے انکار میں سر ہلایا۔

ہم نے ایک ٹیکسی لی اور ساحل پر موجود چٹانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ایک بات کی طرف ہم نے بالکل توجہ نہیں دی تھی۔ اب ہم اس کا بغور جائزہ لیں گے۔"

"اور وہ کیا؟ آفتاب جلدی سے بولا۔"

"بیگم خانامی جس جگہ گریں۔ ہمیں اس جگہ ڈھونڈنے سے بھی خون کا کوئی دھبہ نظر نہیں آیا۔ اس بات پر ہمیں حیرت ہے۔ آخر حملہ آوروں نے اس جگہ سے خون کس طرح صاف کیا، اور انہیں اتنی زحمت کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا تم لوگ اس بات کا جواب دے سکتے ہو؟"

"نہیں ہمارے ذہنوں میں تو اس سوال کا کوئی جواب نہیں آ رہا۔" اشفاق نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس سوال کا جواب جب ہمارے ذہنوں میں آ جائے

گا۔ اس وقت شاید سارا کیس حل ہو جائے گا۔ خیر۔ اس وقت ہم وہاں اور ہی دبر سے جا رہے ہیں۔" میں بولا۔

"اور وہ دبر کیا ہے؟"

"وہیں چل کر بتاؤں گا، کیوں کہ ٹیکسی کے بھی کان ہوتے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ایک تو ہماری زندگیوں میں کان بہت آ جاتے ہیں۔ جدمر دیکھو کان۔ جدمر نظر اٹھاؤ کان۔ جب کہ پہلے صرف دیواروں کے کان ہوتے تھے۔"

"بھئی۔ زمانہ ترقی پر ہے۔ آگے آگے دیکھنا۔ کس کس چیز کے کان نظر آتے ہیں۔ میں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

چٹانوں کے پاس پہنچ کر ہم ٹیکسی سے اترے۔ ڈرائیور کو انتظار کرنے کے لیے کہا۔ اور اوپر چڑھنے لگے۔

"بھئی آفتاب۔ ہم نے حملہ آوروں پر پتھر بھی تو برسائے تھے۔"

"جی۔ جی ہاں! بالکل برسائے تھے۔"

"اور ہمارے کچھ پتھر ان کے سروں پر لگے بھی تھے۔"

"آپ۔ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ آفتاب چونکا۔

"کہنا نہیں۔ میں تو بس دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ کہ جس جگہ وہ لوگ کھڑے تھے۔ وہاں بھی خون کے قطرات ہیں یا نہیں۔ کیا وہاں سے بھی صاف کر دیے گئے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں زخمی

ہونے والوں کے خُون کے قطرات تو وہاں ہونے ہی چاہئیں۔" رتی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہی کہ بیگم خاتاری کو اغوا کیا
 "اوہ۔ اوہ۔ افسوس۔ اس وقت ہم نے اس بات کی طرف توجہ نہ دی۔
 "کوئی بات نہیں۔ اب بھی کچھ نہیں ہو گیا۔"

ہم اس طرف بڑھے۔ جہاں حملہ آور کھڑے نظر آئے تھے۔ ہم نے اس جگہ کے ایک ایک انچ کا جائزہ لیا، لیکن وہاں بھی خُون کا کوئی دھبہ نظر نہیں آیا۔
 "حیرت ہے۔ نہ تو بیگم خاتاری کا خُون یہاں کہیں نظر آیا اور نہ حملہ آوروں میں سے کسی کا۔ آخر یہ چکر کیا ہے۔ آفتاب نے کہا۔
 "السلام علیکم اٹکل۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"وہ جنوبی شکار گاہ گئے ہیں۔ ملازموں کی فوج ساتھ ہے۔
 "غابی کا شکار کھیلا جائے گا۔
 "اور یہ شکار گاہ۔ شہر سے کتنی دور ہے؟"

"بیس کلومیٹر۔ یہ خاتاری صاحب کی ذاتی شکار گاہ ہے،
 "ان کی اجازت کے بغیر اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔
 "اوہ اچھا۔ کیا وہاں رہائشی جگہ بھی بنائی گئی ہے؟
 "ہاں! اس لیے کہ وہ جب جاتے ہیں۔ ایک دو ہفتے تو

رہتے ہیں۔ لہذا رہائش کی بھی کوئی جگہ ضروری ہے۔
 "شکریہ! ہم بھی وہاں شکار کھیلیں گے۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس سے انہیں بھلا کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟
 "فائدہ۔ کیا یہ فائدہ کم ہے کہ معاملہ الجھ گیا ہے۔ پولیس

کیا کر رہے ہو۔ تم شکار کیلو گے۔ وہ بھی مرغابی کا۔
ایک پرائیویٹ شکار گاہ میں۔ جب کہ شکار گاہ کا مالک
لوگوں کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ ان کے بچے
بلا کی حیرت در آئی۔

"ہاں انکل۔ یہ سب باتیں ہمارے ذہن میں ہیں۔
لیکن اس کے ساتھ ہمارے ذہن میں کچھ اور باتیں بھی ہیں۔
جو ہم اس وقت نہیں بتا سکتے۔"
"تو پھر۔ تم کب جا رہے ہو؟"

"کچھ دیر بعد۔ ابھی ایک ضروری کام باقی ہے۔ اچھا اللہ حافظ۔
اللہ حافظ۔ انھوں نے کہا۔
ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر آئے۔ اُمّی جان ہمیں دیکھ کر
رونے لگیں۔

"اور یہ آپ روکس خوشی میں رہی ہیں؟ میں نے حیران
ہو کر کہا۔

"ان۔ ان درندوں نے۔ تم لوگوں کو مارا پیٹا۔ اللہ
کرے۔ ان کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ ان کی زبانیں سوکھ جائیں۔
وہ کہیں کے نہ رہیں۔ اللہ کی پشکار برسے ان پر۔ وہ کہتی چلی
گئیں۔

"آپ۔ آپ فکر نہ کریں۔ یہ سب کام ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

ہوں گے۔ وہ بچ نہیں نکلیں گے۔ صبح انہیں عدالت میں
لے جایا جائے گا۔ نج کریم الدین صاحب انہیں سزا سے
بچ نہیں بچنے دیں گے۔
"اب۔ اب تم کیسے ہو؟"

"ہم ٹھیک ہیں۔ اور آپ سے ایک سوال کرنے آئے
ہیں۔"
"مجھ سے۔ کیا مطلب؟"

"آپ سے اس لیے کہ بیگم غازی کے ہاں ہمیں آپ نے
تو بھیجا تھا۔"
"ہاں! یہ تو خیر ہے۔ وہ بولیں۔

"آپ بیگم غازی کو کیسے جانتی ہیں؟
"وہ میری بچپن کی سہیلی ہے۔ انھوں نے کہا۔
"پہلے تو کبھی آپ نے یہ بات نہیں بتائی۔"

"مجھے خود معلوم نہیں تھی یہ بات۔ یہ تو انھوں نے یاد
دلائی تو بات یاد آئی۔"
"کیا مطلب؟ میں نے چونک کر کہا۔

"جب تمہارے بارے میں انھوں نے مجھے فون کیا۔ اس
ت یہ بات انھوں نے بتائی تھی کہ وہ میری بچپن کی سہیلی
کلاس فیلو ہیں، پھر انھوں نے اپنا بچپن کا نام وغیرہ بتایا۔

"پتا نہیں۔ کیا چکر ہے۔ بہر حال تم بتاؤ کہ تھوڑا ہی۔
میر جاؤ۔" وہ بولیں۔

اور ہم باہر نکل آئے۔ اب ہم نے پھر ایک ٹیکسی لی،

"لیکن۔ یہ بات یاد کرانے کی انہوں نے پہلے کبھی ضرورت شکار گاہ کی طرف روانہ ہو گئے،

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی جانی جان کہ آپ شکار گاہ کیوں محسوس نہیں کی۔"

"بڑے آدمی سے شادی ہو گئی ہے نا۔ ضرورت پڑی رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے۔ مسٹر خاتاری کے ملازم، ہمیں اندر بات یاد کرا دی۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"تب پھر۔ آپ نے معاوضہ نہ لینے پر اتنا زور کیوں دیا تھا؟

"لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟

"بس! میں نے سوچا۔ وہ بھی کیا یاد کرے گی۔" وہ مسکرائے۔ "ضرورت اس لیے ہے کہ ہم ان کی واپسی تک بے کار تو

"ہوں! شکریہ۔ بس ہمیں یہی کچھ معلوم کرنا تھا۔ اسٹپ نہیں سکتے۔ اور یہ کیس ان کے بغیر حل ہو گا نہیں۔ آخر

ہم ذرا شکار گاہ جا رہے ہیں۔ ان کی بیگم کا معاملہ ہے۔ میں نے شوخ آواز میں کہا۔

"کیوں آپ یہ تو نہیں سوچ رہے کہ مسٹر خاتاری نے خود شکار گاہ۔ کیا مطلب؟

"شکار گاہ کا مطلب تو اُمی جان شکار گاہ ہی ہوتا ہے۔ اُمی کو قتل کر دیا ہے۔ ارے ہاں۔ وہ خوف زدہ بھی تو

تھیں۔ اور ہمیں کوئی راز کی بات بتانے کے لیے، ہی آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ تم اور شکار کھیلو گے۔ انہوں نے ہمیں بلایا تھا۔"

"پتا نہیں۔ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ بس یہ سوچ لو

کھیل رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے سوچا۔ ہم بھی شرکت کر کچھ نہ کچھ سوچ رہا ہوں۔ میں بولا۔

"مذاق کے موڈ میں ہیں آپ؟ اخلاق بولا۔

کر ڈالیں۔

”کبھی کبھی مذاق کرنا صحت کے لیے مفید رہتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہمارے پاس تو شکار کھیلنے کا سامان بھی نہیں ہے، پھر ہم کیا کریں گے؟“

”عقل سے بھی تو شکار کھیلا جا سکتا ہے۔“

”اوہ ہاں! یہ بات تو ٹھیک ہے۔“ اشفاق نے کہا۔

آخر ہم شکار گاہ کی حدود میں پہنچ گئے۔ ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر دیا۔ ایسے میں اشفاق بولا:

”اور ہم واپس کس طرح جائیں گے؟“

”مسٹر خاتاری کے ساتھ جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔“

”اس کا مطلب ہے۔ آپ کوئی مکمل پروگرام بنا چکے ہیں؟“

”ہو سکتا ہے۔ ایسی کوئی بات ہو۔“

شکار گاہ کا دروازہ ہمیں صاف نظر آ رہا تھا، لیکن وہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ البتہ ایک نوٹس بورڈ ضرور لگا تھا اور اس پر لکھا تھا:

”خبردار!“

بلا اجازت شکار گاہ کے اندر داخل ہونا منع ہے۔

اندر داخل ہونے اور شکار کھیلنے والے کو پولیس کے

حوالے کیا جائے گا۔

خاتاری خان۔

”دروازے پر کوئی نہیں ہے۔ لہذا ہمارے لیے اندر داخل

ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

”اور اس نوٹس کے الفاظ کا کیا کریں گے؟ آفتاب نے گہرا

کر کہا۔

”بھئی ہم اجازت کس سے لیں۔ جب یہاں کوئی ہے ہی

نہیں۔“

”ہاں! یہ بات بھی ہے۔“ اشفاق بڑبڑایا۔

”آؤ آؤ۔ ڈرو نہیں۔ ہم تو پولیس کے ہاتھوں مار کھا

چکے ہیں۔“ میں نے کہا۔

آخر ہم اندر داخل ہو گئے۔ جنگل بہت ہرا بھرا تھا۔

برندوں اور جانوروں کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ جنگل

کے درمیان میں کچی سڑک تھی۔ ہم اب اس سڑک پر چل

رہے تھے۔ ابھی تک کسی انسان کا کوئی نشان نظر نہیں آیا

تھا۔

”کیا یہ لوگ آتے ہی شکار کے لیے نکل گئے؟ میں نے

بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

”گلتا تو ایسا ہی ہے۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

”ایسے میں اگر کوئی درندہ ہم پر آ پڑا تو ہم ہی اس کا

شکار بن جائیں گے۔" اخلاق نے خون زدہ آواز میں کہا۔
 "اللہ مالک ہے۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا
 ڈر۔ آفتاب بولا۔

"یہ اوکھلی نہیں۔ شکار گاہ ہے۔" اشفاق نے جل کر کہا۔
 "ارے۔ وہ اس طرف۔ عمارت نظر آ رہی ہے۔ گویا ہم
 خٹاری صاحب کی رہائش کے قریب پہنچ گئے۔" میں چونکا۔
 "چلیے۔ کچھ تو نظر آیا۔"

"اب باتیں بند۔ ہمیں دبے پاؤں آگے بڑھنا ہے۔ کیا خبر
 وہ لوگ اس عمارت میں موجود ہوں۔"
 "اور ہم ان کی نظروں سے کب تک بچیں گے؟ آفتاب نے
 حیران ہو کر پوچھا۔

"جب تک پنج سکیں۔ اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔"
 ہم دبے پاؤں اس عمارت کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس کے
 دروازے کھلے تھے اور اندر سے زور شور سے باتیں کرنے کی آوازیں
 آ رہی تھیں، پھر باتیں صاف سمجھ میں آنے لگیں۔ گفت گو
 شکار پر ہی ہو رہی تھی۔ ہم کھڑے سنتے رہے۔ ایسے میں
 اچانک دروازہ کھلا اور ایک ملازم کی صورت نظر آئی۔ اور اس
 نے ہمیں دیکھا تو اس کا منہ مارے حیرت کے کھل گیا۔
 ہمیں یوں لگا جیسے اس کا منہ اب کبھی بند نہیں ہوگا۔

سم شوق
 قوت ذوق
 آسان اتنا
 ہے اتنا
 مطالعہ
 اعلیٰ

☆ یاسر لائبریری ☆
 T-370 کورنگی نمبر 2 (سنگوالی پل)

شکار اور شکاری

"آپ۔ آپ کا کب تک ارادہ ہے جناب؟ آفتاب نے گہرا
 کر کہا۔

"کک۔ کس بات کا۔ اس کے منہ سے نکلا۔

"اس طرح منہ کھول کر کھڑے رہنے کا۔"

"راہو۔ یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔ ہم سب تو اندر موجود

ہیں۔ اندر سے مٹر خٹاری کی آواز سنائی دی۔

"ادھر۔ ادھر بھی کچھ لوگ موجود ہیں سر۔ اس نے کانپ

کر کہا۔

"کچھ لوگ موجود ہیں۔ کیا مطلب؟ مٹر خٹاری نے حیرت زدہ

انداز میں کہا، پھر اس نے بھی باہر نکلنے میں دیر نہ لگائی۔

ان کے پیچھے ان کے باقی ساتھی بھی دروازے پر آ گئے۔ میں

ان سب کو غور سے دیکھنے لگا۔ اور پھر میں بے ساختہ مسکرا

دیا۔

"تت - تم - تم لوگ - یہاں بھی آ گئے۔"

"نچ - جی - جی ہاں - ہم یہاں بھی آ گئے۔ آفتاب نے بالکل ان کے انداز میں کہا۔"

"لیکن - تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جگہ پرائیویٹ ہے۔ اس شکار گاہ میں داخل ہونا منع ہے۔ اگر کوئی داخل ہو جائے تو ہم اسے پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ مسٹر خاتاری نے جلدی جلدی کہا۔"

"تو پھر - مہربانی فرما کر ہمیں بھی پولیس کے حوالے کر دیں۔" میں بولا۔
"ہاں! ہم ایسا ضرور کریں گے۔"

"لیکن یہ بات آپ بھی نوٹ کر لیں۔ ہم نے اندر داخل ہونے کے بعد یہاں شکار نہیں کیلا۔ اور دوسرے یہ کہ شکار گاہ کے دروازے پر کوئی نگران موجود نہیں تھا۔ ہم اجازت کس سے لیتے؟"

"کیوں - کھارا کہاں چلا گیا؟"

"جی کھارا - کون کھارا - کیا یہاں کا پانی کھارا ہے؟ میں گبرا گیا۔"

"کھارا - اس نگران کا نام ہے۔ جو شکار گاہ کے دروازے پر موجود رہتا ہے۔"

"اوہ - لیکن ہمیں تو وہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ کک،

کہیں اس نے سلیمانی ٹوپي تو نہیں اوڑھ رکھی تھی۔ آفتاب بولا۔
"کیا بکو اس ہے۔ راہو۔ جاؤ۔ اور جا کر دیکھو۔ کھارا کہاں ہے۔ اسے ساتھ لے آنا۔"

"جی بہتر! راہو نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ ایک بھاری بھر کم جسم اور خوف ناک شکل صورت والے آدمی کے ساتھ وہاں آ گیا۔"

"کھارے - ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں جناب - راہو نے مجھے بتایا ہے۔" کھارے نے کانپ کر کہا۔

"تم اس وقت کہاں تھے، جب یہ اندر داخل ہوئے؟"

"میں - میں دروازے پر ہی موجود تھا سر۔ یہ کسی اور طرف سے اندر داخل ہوئے ہیں۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شکار گاہ میں داخل ہونا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ اس کے گرد باڑھ کو پھلانگنا بہت آسان کام ہے۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن کھارے - میں ایک بات اور بھی جانتا ہوں۔ مسٹر خاتاری نے منہ بنایا۔"

"اور وہ کیا جناب؟" کھارے نے پریشان ہو کر کہا، کیوں کہ

مسٹر خاتاری کا لہجہ بہت تیز تھا۔

"یہ لوگ اگرچہ مجھے پسند نہیں، لیکن میں اتنا ضرور کر سکتا

ہوں کہ یہ بلا وجہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اگر یہ کسی اور طرف سے شکار گاہ میں داخل ہوئے ہوتے تو ہرگز غلط بیانی نہ کرتے۔ لہذا تمہیں یہ بتانا ہو گا کہ تم کہاں تھے؟

"مم۔ میں۔ میں ذرا اپنے کوارٹر تک گیا تھا۔ میرا بچہ بیمار ہے۔ جناب۔ اس کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو گیا تھا میں۔" ہوں! اب تم نے سچ بات اگلی۔ تم اسی وقت ملازمت سے فارغ ہو کھارے۔ تم جا سکتے ہو۔ اس ماہ کی جتنی تنخواہ بنتی ہے، تمہیں وہ بھی نہیں ملے گی، کیوں کہ تمہاری وجہ سے یہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب۔ میں اپنے بیوی بچے کو لے کر کہاں جاؤں گا۔ آج کل تو ملازمت ملنا بھی آسان کام نہیں ہے۔"

"میری طرف سے تم کہیں بھی جاؤ۔ مجھے اس سے کیا غرض۔" مسٹر خاتاری نے ہنسا کر کہا۔

"مٹر کھارے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہیں۔" مسٹر خاتاری نہیں۔ اشفاق کو غصہ آگیا۔

"نچ۔ جی۔ وہ کچھ ذکر سکا۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ سے ہی مانگو۔ اگر مسٹر خاتاری تمہیں ملازمت سے نکال رہے ہیں تو کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اور ملازمت

دے دیں گے۔ ہمارے دفتر آ جانا۔ ہم کہیں ملازمت دلوا دیں گے۔"

"نچ۔ جی۔ جی بہتر۔"

"بس تو پھر۔ اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔ آدھ گھنٹے بعد میں تمہاری صورت یہاں نہ دیکھوں۔"

"نچ۔ جی بہتر۔ اس نے کہا اور باہر کی طرف مڑ گیا۔"

"اب آپ کا کیا خیال ہے مسٹر خاتاری۔ ہم بلا اجازت داخل ہوئے ہیں یا نہیں؟"

"تم لوگ جا سکتے ہو۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" انہوں نے منہ بنا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ آپ کب واپس آئیں گے؟ میں بولا۔"

"کل۔ کیوں۔ تمہیں اس سے کیا؟"

"جی وہ۔ بس ایسے ہی پوچھ بیٹھا ہوں۔ میں نے گھبرا کر کہا۔"

"پتا نہیں۔ جب جی چاہے گا۔ آجائیں گے۔"

"شکریہ جناب۔ آؤ بھئی چلیں۔ میں نے کہا اور باہر جانے کے لیے مڑے۔"

"ایک منٹ۔ تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ یہاں کیسے آئے تھے؟"

"ہم نے سوچا تھا۔ آپ کے ساتھ ہم بھی شکار رکھیں گے۔"

"میرا خیال ہے۔ اب یہی کرنا ہو گا، کیوں کہ ہمارے پاس وقت بھی بہت کم ہے۔" میں بولا۔

"جی۔ کیا مطلب۔ وقت کم ہے۔ آفتاب چونکا

"ہاں۔ وقت کم ہے۔ آؤ۔ میں نے جلدی سے کہا۔

ہم نے ایک پکر کٹا اور شکار گاہ میں داخل ہو کر گاڑیوں کے پاس آئے۔ ایک چھوٹی کار کو دھکیل کر شکار گاہ سے باہر لانے میں ہمیں بہت محنت کرنا پڑی۔ باہر لا کر بھی ہم نے اسے شارٹ نہیں کیا۔ کچھ دُور اور اسی طرح لے گئے۔ تاکہ انجن کی آواز وہ نہ سُن لیں۔ ابھی میں نے کار میں بیٹھ کر انجن شارٹ نہیں کیا تھا کہ شکار گاہ کی طرف سے کھارا اپنی بیوی اور بچے کو لیے آتا نظر آیا۔ وہ رو رہا تھا۔

"یہ۔ یہ بے چارہ پیدل شہر تک کس طرح جائے گا۔ اسے بھی کار میں لے جاتے ہیں۔ آفتاب نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے، لیکن سُنو۔ شہر صرف یہیں جاؤں گا۔ تم تینوں یہیں ٹھہرو گے۔ میں نے دہی آواز میں کہا۔

"لگ۔ کیا مطلب۔ صرف آپ جائیں گے۔"

"ہاں! صرف میں۔ کیوں کہ مجھے پھر یہیں واپس آنا ہے۔ تم لوگ یہاں چھپے رہنا اور شکار گاہ پر نظر رکھنا۔ کوئی تبدیلی نظر آئے تو اسے نوٹ کرنا۔"

"تم اور شکار کھیلو گے۔ رائفل چلانا آتا ہے؟"

"جی بس۔ تھوڑا بہت۔ آفتاب نے کہا۔

"جاؤ میاں جاؤ۔ شکار کھیلنا بچوں کا کام نہیں ہے۔"

"یہ تو خیر۔ آپ نے ٹھیک کہا۔" میں بولا۔

"بس تو پھر۔ پانچ منٹ کے اندر شکار گاہ سے نکل جاؤ۔ درنہ پولیس کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔"

"ارے باپ رے۔ آؤ بھئی چلیں۔ میں نے گہرا کر کہا اور ہم باہر کی طرف چل پڑے۔ قدم تیز تیز اٹھا رہے تھے۔

شکار گاہ سے نکل کر ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"اب کیا کریں۔ شہر کس طرح جائیں۔ پندرہ کلومیٹر کا فاصلہ کیا پیدل طے کریں۔ آفتاب جل کر بولا۔

"ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ اس قدر جلد یہاں سے فارغ ہو جائیں گے۔"

"کیوں نہ مسٹر خاتاری کی کسی گاڑی پر ہاتھ صاف کر دیا جائے۔ آفتاب نے تجویز پیش کی۔

"ہاں! تجویز تو معقول ہے، لیکن ان کی گاڑیاں بھی تو شکار گاہ کے اندر ہی موجود ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ ہم ذرا چکر لگا کر شکار گاہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی گاڑی پار کر لاتے ہیں۔ آفتاب نے کہا۔

کاشان۔ اور کچھ دوسرے لوگ بھی تھے۔
ہمیں دیکھ کر وہ تینوں نزدیک آگئے اور بتایا کہ حالات
بچوں کے توں ہیں۔ اب ہم شکار گاہ میں داخل ہوئے۔
دروازے پر ابھی تک کسی کو مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ عمارت کے
نزدیک پہنچ کر میں نے بلند آواز میں کہا:
"مشر خاتاری۔ ذرا باہر تشریف لائیے۔"

"ہائیں۔ تم لوگ ابھی گئے نہیں؟ اندر سے خاتاری کی تلملائی
ہوئی آواز سنائی دی۔ پھر بہت سے قدموں کی آواز ابھری۔
"چلے تو ہم گئے تھے۔ مل۔ لیکن پھر آگئے۔ معاف کیجیے
گاتے۔ میں نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
"میں تمہیں ایسا مزا چکھاؤں گا۔ کہ۔"

کہ سے آگے وہ کچھ نہ کر سکے، کیوں کہ اس وقت تک
وہ دروازے پر نمودار ہو چکے تھے اور انہوں نے ہمارے
ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی دیکھ لیا تھا۔ ادھر ان کے باقی
ساتھی بھی باہر نکل آتے تھے:

"یہ۔ یہ کیا۔ یہ تم ان لوگوں کو کیوں لے آئے یہاں؟
"تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کی بیگم نے اپنی کار کے نیچے ایک شخص فرمان راہی

"اچھی بات ہے۔ تینوں بولے۔
اتنے میں کھارا نزدیک پہنچ گئے۔ اس نے حیران ہو کر
پہلے ہماری طرف اور پھر کار کی طرف دیکھا:
"شہر جانا ہے تو کار میں بیٹھ جاؤ بھائی کھارے۔"
"یہ۔ یہ کار۔ آپ لوگوں کی ہے۔ اس کے لہجے میں حیرت
در آئی۔"

"بس آپ اپنی ہی سمجھیے۔ اخلاق مسکرایا۔
"مم۔ میرا مطلب ہے۔ یہ آپ کی اپنی ہے۔ اس نے پھر
بے یقینی کے عالم میں کہا۔
"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں مشر کھارے؟"

"یہ۔ یہ کار۔ مشر خاتاری کے سیکرٹری صاحب کی ہے۔
"کوئی بات نہیں۔ ہم اس کے ذریعے صرف شہر تک جائیں
گے اور واپس یہاں آئیں گے۔ ہم اسے چرا نہیں رہے۔ وقتی
ضرورت کے تحت لے رہے ہیں۔ اگر آپ کو شہر نہیں جانا
تو پھر میں چلتا ہوں۔" میں نے گہرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"نہیں نہیں۔ مجھے شہر جانا ہے۔ اور میری بیوی اتنی دور
تک پیدل نہیں چل سکتی۔ وہ بھی گھبرا گیا۔"

"ارے تو بیٹھو نا۔ میں ہنس دیا۔
ایک گھنٹے بعد میری واپسی ہوئی۔ تو میرے ساتھ انکل

کو پھنسا دیا تھا۔ اگرچہ اس میں غلطی خود فرمان راہی کی تھی، لیکن آپ لوگ اس واقعے سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ پولیس کو یہ نہیں بتایا کہ حادثہ ان کی کار سے ہوا ہے۔ آپ ڈرے کر تفتیش کرنے والے آپ کی بیگم تک پہنچ جائیں گے اور پھر انہیں گرفتار کر لیں گے، کیوں کہ ان کی بات کو درست اس وقت مانا جاتا جب وہ موقع پر موجود رہتیں۔ لیکن وہ بھاگ نکلیں۔ اور اس طرح مجرم بن گئیں۔ ان کو بچانے کی آپ لوگوں نے ایک انوکھی ترکیب سوچی۔ بیگم خاتاری نے ہماری والدہ کو فون کیا۔ کہ انہیں کسی معاملے میں ہماری ضرورت ہے؛ چناں چہ ہم نے عجیب حالات میں ان سے ملاقات کی۔ وہ کوئی راز کی بات کہنا چاہتی تھیں۔ ہم اس خیال سے کہ کہیں راز کی بات سن نہ لی جائے۔ انہیں ساحل سمندر پر لے آئے۔ کیوں کہ ان کے کمرے میں اس قسم کا آؤر ملا تھا جس کے ذریعے سے کچھ فاصلے تک کوئی دوسرا بات چیت سن سکتا تھا۔ پھر ساحل پر ہم پر حملہ کیا گیا۔ اور اس حملے میں بیگم خاتاری پر فائر بھی کیا گیا۔ وہ چیخ مار کر گر پڑیں۔ اور ہم حملہ آوروں کے ساتھ الجھ گئے۔ ان سے نجات حاصل کر کے شہر پہنچے تو پولیس نے ہمیں حوالات میں بند کر دیا، کیوں کہ مسٹر

خاتاری اپنی بیگم کے اغوا کی رپورٹ درج کرا چکے تھے۔ اور یہ رپورٹ انہوں نے ہمارے خلاف لکھوائی تھی۔ ہم پولیس کو لے کر چٹانوں پر گئے، لیکن وہاں لاش نہیں تھی۔ اور نہ خون کے دبچے موجود تھے۔ اس بات نے ہمیں پکرا دیا۔ پھر ہم نے مسٹر خاتاری سے ملاقات کی یہ شکار پر جا رہے تھے۔ ہمیں بہت حیرت ہوئی۔ جس آدمی کی بیوی کو اغوا کر لیا جائے۔ اور ایک خیال یہ ہے۔ کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ آدمی بھلا شکار پر کیسے جا سکتا ہے۔ اس چیز نے مجھے چونکا دیا۔ پھر اس ملاقات کے دوران ان کے دو ملازموں کی آوازیں بھی سننے کا اتفاق ہوا۔ اور ان کی آوازوں نے مجھے چونکا دیا۔ لہذا میں نے شکار گاہ تک ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تعاقب کیا گیا، پھر ہم شکار گاہ میں داخل ہوئے۔ اور مسٹر خاتاری سے ملاقات کی۔ ان کے ساتھیوں کو بھی دیکھا۔ اور میں ان کے ساتھیوں میں ان کی بیگم کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ "کیا!!! نہ صرف انکل وغیرہ۔ بلکہ مسٹر خاتاری اور ان کے ساتھی بھی چلا آئے۔"

"جی ہاں! یہ رہیں ان کی بیگم۔ مردانہ لباس میں اور مردانہ میک اپ میں۔ میں نے مسکرا کر ایک نوجوان کی طرف

ہم ان کی آوازیں سن چکے تھے۔ پھر جلا ان کے محل میں آوازیں کیوں نہ پہچان لیتے۔ لہذا انکل۔ اب آپ جانیں۔ اور مسٹر خاتاری جانیں۔

”ہم تو! ان کی بیگم کو بہر حال گرفتار کرنا پڑے گا۔ ان پر مقدمہ بھی چلے گا۔ مقدمے میں انہیں سزا ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ معاملہ ہے قانون کا۔“ انہوں نے کہا اور کانٹیل ہتھکڑی لیے ان کی طرف بڑھنے لگا۔



اشارہ کیا۔ سب لوگ اسے ٹکڑے ٹکڑے دیکھنے لگے۔ ادھر اس کا مارے گہرا ہٹ کے برا حال تھا۔

”بس جناب۔ یہی ہے گل کہانی۔ چٹانوں میں دراصل ڈراما کھیلا گیا تھا۔ وہ فائر نقلی پستول کا تھا۔ ہم نے جو پتھر برسائے۔ ان کے جواب میں جو چیخیں بلند ہوئیں۔ وہ بھی نقلی تھیں۔ اس بات پر ہمیں بھی حیرت ہوئی تھی کہ آج ہمارے نشانے اتنے فٹ کیوں بیٹھ رہے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ہم تو شہر آکر ان کے قتل ہو جانے کی کہانی سنائیں۔ اور پولیس ہمیں اغوا کا مجرم ٹھہرائے۔ اور ہماری کہانی کو بالکل فرضی قرار دے کر ہمیں جھوٹا ثابت کر دے۔ اور ہم ہی اس معاملے میں پھنسیں۔ بے شک بعد میں چھوٹ جائیں۔ لیکن کوئی اس حادثے کے سلسلے میں بیگم خاتاری کو پریشان کرنے نہ آ سکے۔ اور اس کی ترکیب انہوں نے یہ کی کہ یہ کچھ عرصہ تک تو مردان لباس میں ان کے ساتھ رہیں۔ پھر یہ ایک نئی شادی کر لیتے۔ لیکن۔ یہ شادی بھی ایک دکھاوا ہوتی۔ یہ ہے گل کہانی۔ اس میں مسٹر خاتاری سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم پر جو فرضی حملہ کرایا گیا۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے ملازموں کو ہی استعمال کیا۔ اور وہ آواز بدلنے کے ماہر نہیں تھے۔ لہذا چٹانوں میں

کم وقت گزرا ہے
شوق و ذوق آتا ہی
☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ یاسمین لاٹیری ☆

☆ T-370 کو 2 (بیکہ والی پلیٹ) ☆

<http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com/>